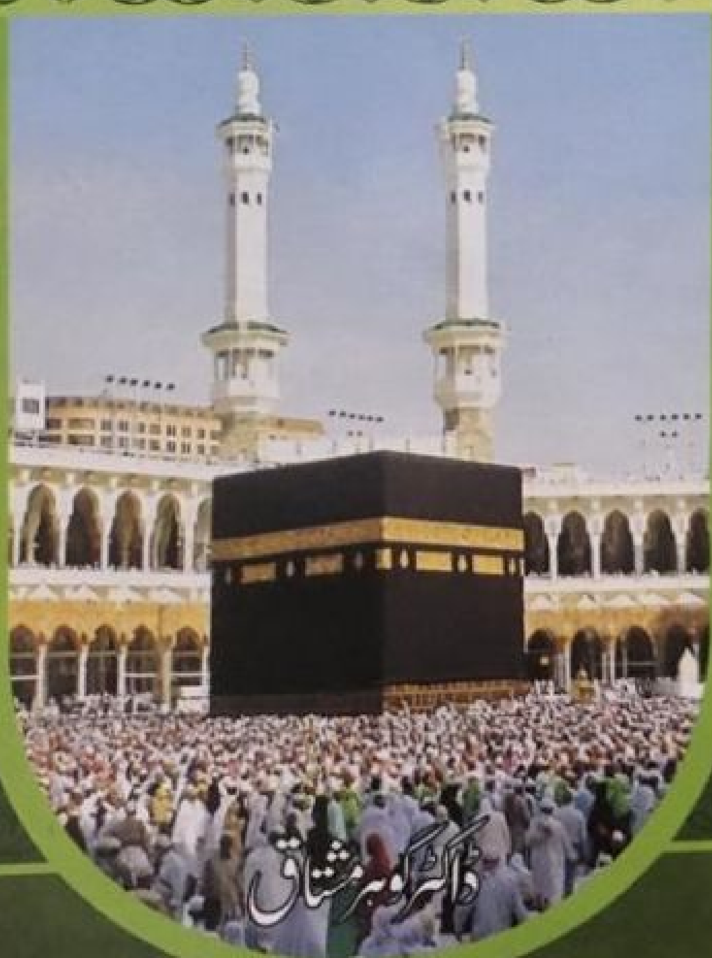
اللہ کی مدد
کیوں نہیں آرہی؟



ڈاکٹر گوہر مشتاق

اللہ کی مدد کیوں نہیں آرہی؟

ڈاکٹر گوہر مشتاق

اذان سحر پبلی کیشنز
منصورہ، ملتان روڈ، لاہور فون042-35435667

جملہ حقوق محفوظ ہیں!

نام کتاب	:	اللہ کی مدد کیوں نہیں آرہی؟
مصنف	:	ڈاکٹر گوہر مشتاق
ناشر	:	عباس اختر اعوان
		اذان سحر پبلی کیشنز، منصورہ۔ملتان روڈ لاہور
اشاعت	:	ستمبر 2014ء
مطبع	:	رانا پرنٹرز، لاہور
قیمت	:	120 روپے

ملنے کے پتے:

- ......ادارہ معارف اسلامی منصورہ ملتان روڈ لاہور۔5432419
- ......ادارہ مطبوعات طلبہ 1اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور۔7553991
- ......دی بک ڈسٹری بیوٹرز، کراچی، 021-2787137
- ......مسٹر بکس، سپر مارکیٹ، اسلام آباد فون 051-2278843,2278845
- ......اسلامی کتاب گھر، خیابان سرسید، راولپنڈی 051-4830451
- ......ملک اولڈ بک ڈپو، کمیٹی چوک راولپنڈی
- ......احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک راولپنڈی
- ......مکتبہ تبلیغ اسلام، الاکرام بلڈنگ راولپنڈی 5962137
- ......النور اسلامک بکس۔سنگاپور پلازہ۔صدر۔راولپنڈی 5794605
- ......ادارہ تطہیر افکار، جی ٹی روڈ، پشاور۔091-262407
- ......ادارہ پاسبان خبر مرکز۔1 سرور روڈ، نزد سٹیٹ بینک بلڈنگ ملتان

فہرست

اللہ کی مدد کیوں نہیں آرہی؟

﴿ اللہ کی مدد کا مستحق بننے کے لئے کرنے کے اصل کام ﴾

اللہ کی مدد قریب ہے !!!

رہتے ہیں ۔انگلش اوراردو زبان میں بہت سی اسلامی کتابوں کے مصنف ہیں ۔اُن کی انگریزی کتابوں کی تفصیلات انٹرنیٹ سے حاصل کی جا سکتی ہوں ۔ ڈاکٹر گوہر کی اردو کی کتابوں کی لسٹ درج ذیل ہے:

1......ایک آنکھ والا دجال

2......موسیقی، اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں

3......انسانی دل اور قبولِ اسلام ۔ ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ

4......معرکۂ روح وبدن

5......پردہ : عقلمند خواتین کا انتخاب

6......دجالی دور اور مسلم نوجوان

7......داڑھی کی اہمیت قرآن وسنت اور جدید سائنس کی روشنی میں

8......ویلنٹائن ڈے ۔ بُت پرست رومیوں کا تہوار

9......سورۃ الواقعہ کی سائنٹفک تفسیر

10......سورۃ یٰسٓ کی تفسیر: کتاب وسنت اور جدید تحقیقات کی روشنی میں

11...... تزکیۂ نفس، اسلام اور جدید علم نفسیات کی روشنی میں

12 ...... روزے کے روحانی اور طبی فوائد ۔قرآن،حدیث اور میڈیکل سائنس کی روشنی میں

13 ...... اللہ کی مدد کیوں نہیں آ رہی ؟

14 ...... دجالی دور اور مسلم خواتین

15 ...... مسلم نوجوانوں کو درپیش سب سے بڑا مسئلہ

16 ...... عرشِ الٰہی سے لٹکتی قندیلوں میں، سبز پرندوں کے دلوں میں

17 ...... تاریخ کا سبق

سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا، پھر استوار ہوگا

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے، وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری، نفس مرا شعلہ بار ہوگا

(اقبالؔ)

باب نمبر 1

اللہ کی مدد کیوں نہیں آ رہی ؟

ہر مسلمان کے ذہن میں اُٹھنے والا سوال:

''اللہ کی مدد کیوں نہیں آ رہی ؟''

آج پوری دنیا میں مسلمان آزمائشی دور سے گزر رہے ہیں۔ روئے زمین پر سب سے سستا خون مسلمان کا ہو چکا ہے۔ اگر دنیا کے کسی چڑیا گھر میں کوئی چیتا، زرافہ (giraffe) یا پینڈا (Panda) مر جائے تو پوری دنیا میں اُس کا افسوس کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی یہودی، عیسائی یا ہندو مر جائے پھر تو میڈیا پوری دنیا کو سر پر اٹھا لیتا ہے اور فوراً مسلمانوں پر انگلیاں اٹھتی ہیں لیکن کسی بھی مومنِ حق کو ''دہشت گرد'' یا ''عسکریت پسند'' کا لقب دے کر اُس کو دن دھاڑے کبھی ڈرون حملوں سے اور کبھی 'سیکورٹی کے اہلکاروں' کے ہاتھوں قتل کر دیا جاتا ہے اور اُس مومنِ حق کو شہید کرنے سے پہلے میڈیا پر اتنا بدنام کر دیا گیا ہوتا ہے کہ اُس کا جنازہ پڑھانا تو بعد کی بات ہے، اُس کے مرنے پر کوئی مسلمان ایک لفظ افسوس کا منہ سے نکالنے سے ڈرتا ہے کہ کہیں اُس پر بھی ''دہشت گردوں کا ہمدرد' ہونے کا لیبل نہ لگ جائے۔

الغرض کہ ”برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر“ کے مصداق، دنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی دھما کہ ہوتا ہے نام مسلمانوں کا ہی لگتا ہے ۔ کفار کے لیڈر (جو فساد فی الارض کے حقیقی علمبر دار ہیں) کبھی کبھار مسلمانوں پر احسان کرتے ہوئے کسی کسی حادثے کے بعد میڈیا پر بیان دے دیتے ہیں کہ بھئی فکر نہ کرو، صرف یہ جو حالیہ واقعہ ہوا ہے اِس کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ۔

آج ہر مخلص مسلمان، مرد اور عورت، بچے اور بوڑھے کے ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ **اللہ کی مدد کیوں نہیں آ رہی اور اللہ کی مدد ہمیں کب آئے گی؟** یہ کتاب اسی سوال کا جواب دینے کے لیے لکھی گئی ہے ۔ یہ سوال اتنا اہم ہے کہ پہلے وقتوں کے رسولوں اور اُن کے ساتھی اہلِ ایمان بھی آزمائشی حالات سے مجبور ہو کر یہی سوال پوچھنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سورہ البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِيْنَ آمَنُواْ مَعَهُ مَتٰى نَصْرُ اللهِ أَلَآ إِنَّ نَصْرَ اللهِ قَرِيْبٌo

(سورہ البقرہ: آیت 214)

”پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ اُن پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے، حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اُس کے ساتھی اہلِ ایمان چیخ اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اُس وقت اُنھیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے ۔“

بیشک امت مسلمہ نے بڑے طویل عرصہ سے قرآن کو فتح اور عملی کامیابی حاصل کرنے کی کتاب کے لحاظ سے نظر انداز کیا ہوا ہے حالانکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس قرآن کے متعلق فرمایا تھا:

اِنَّ اللّٰہَ یَرۡفَعُ بِھٰذا الۡکِتَابِ اَقۡوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیۡنَ

(صحیح مسلم عن نافع)

''بیشک اللہ تعالیٰ اِس قرآن کی وجہ سے کئی قوموں کو اٹھائے گا اور اسی کو (چھوڑنے) کی وجہ سے کوئی قوموں کو گرائے گا۔''

عصرِ حاضر کے مسلمان، اللہ کی مدد کو قرآن میں ڈھونڈنے کی بجائے یواین او (UNO) میں تلاش کررہے ہیں کہ صلیبی ممالک اوراُن کی نوکرانی یعنی UNO آکر فلسطین، کشمیر، بوسنیا، شام، عراق اور افغانستان میں مسلمانوں کی مدد کریں۔ آج مسلمان فلسطین، کشمیر، برما، چیچنیا، مصر، شام، عراق اور کوسووو میں امن اور مدد حاصل کرنے کے لیے ''کالے گھر'' یعنی کعبۃ اللہ کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بجائے ''سفید گھر'' یعنی واشنگٹن کے وائٹ ہاؤس (White House) کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں یا ''سنہرے گھر'' یعنی ماسکو (روس) کے پریذیڈنٹ ہاؤس (Moscow Kremlin) کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں حالانکہ اللہ کی مدد ''کالے گھر'' یعنی کعبۃ اللہ (House of Allah) کا دروازہ کھٹکھٹانے سے آئے گی، کسی ''سفید گھر'' یا ''سنہرے گھر'' کا دروازہ کھٹکھٹانے سے نہیں آئے گی۔ آج ڈیڑھ بلین کی تعداد رکھنے والی مسلم اُمت میں ایک لیڈر بھی عباسی خلیفہ معتصم باللہ جیسا نہیں جس تک چیچنیا، شام اور کشمیر کی مظلوم مسلم خواتین ''وَا مُعۡتَصِمَاہ'' (ہائے خلیفہ معتصم تم کہاں ہو؟) کی صدا بلند کرکے اپنی مظلومیت کی فریاد اُس مسلمان لیڈر تک پہنچا سکیں۔ آج ہم تمام دنیا کے مسلمانوں کی ذلت، مسکنت اور شکست کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ پوری

دنیا کے مظلوم مسلمان فتح یاب ہوجائیں لیکن یہ فتح صرف اللہ کی طرف سے آسکتی ہے کیونکہ قرآن ہمیں بتاتا ہے:

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ٥

(سورہ آل عمران آیت 126)

''فتح ونصرت جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے جو بڑی قدرت والا اور دانا و بینا ہے۔''

ہمیں اللہ کی مدد کیسے آئے گی؟ اِس سوال کا تفصیلی جواب آپ کو اِس کتاب میں ملے گا۔ ہمیں اپنی ماضی کی غلطیوں سے سیکھنا ہے اور اپنی غلطیوں کو دہرانا نہیں۔ اِس وقت دنیا کے سٹیج پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ دراصل حق اور باطل کے درمیان آخری فیصلہ کن جنگ کی تیاری ہے۔ شیطان کی یہ بھرپور کوشش ہے کہ انسانیت کو تباہ و برباد کر کے اللہ کے سامنے یہ ثابت کر دے کہ یہ انسان تیری دی ہوئی ذمہ داری اٹھانے کا اہل نہ تھا۔ شیطان کی کوششوں سے آج کا دجالی نظام بڑی تیزی سے دنیا کو دجال کی آمد کے لیے تیار کر رہا ہے۔ اِس معرکہ ایمان اور مادیت میں ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا ہے اور مومن کو اللہ کی مدد پر بھروسہ ہے لیکن اللہ انہی کی مدد کرتا ہے جو اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرتے ہیں، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ٹی وی یا کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر سکرین کے مناظر بدلنے کا انتظار نہیں کرتے بلکہ معاشرے میں تبدیلی لانے کے لیے خود اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ بے شک اللہ کا مومنین سے کیا ہوا وعدہ سچا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن تَنصُرُوا۟ اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ٥

(سورہ محمد: آیت 7)

''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جما دے گا۔''

قرآن میں دوسری جگہ فرمایا:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ o (سورہ آل عمران:40)

''اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اُس کی مدد کریں گے۔''

اِن آیات میں اللہ کی مدد کرنے کا سیدھا سادھا مفہوم یہ ہے کہ اُس کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جان و مال سے جہاد کیا جائے۔ پھر یہی نہیں بلکہ قرآن نے مسلمانوں کو دنیا میں دوبارہ عزت حاصل کرنے کا نسخہ بھی بتا دیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ o تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ o يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ o وَأُخْرَى تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ o (سورہ الصّف: آیات 10 سے 13)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں دُکھ دینے والے عذاب سے بچا دے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے، یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا فرمائے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمہیں دے گا، اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی میں حاصل ہو جانے والی فتح۔ اے نبی اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق حق و باطل کے درمیان مقابلہ مقدر فرما دیا ہے اور یہ رب ذوالجلال کی حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے سنت چلی آ رہی ہے لیکن انجام کار متقین اور اللہ تعالیٰ کے پرہیزگار بندوں کے ہی حق میں ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ٥

(المجادلہ: 21)

''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ زبر دست اور زورآور ہے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ٥ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُوْنَ ٥وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ٥

(الصافات:171-173)

''اور اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ یقیناً اُن کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔''

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اپنی امت کو اِس کی خوشخبری سنا دی تھی۔

حضرت تمیم داری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

لَيَبْلُغَنَّ هَـذَا الْأَمْـرُ مَـا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ، وَلَا يَتْرُكُ اللّٰهُ بَيْتَ مَـدَرٍ وَلَا وَبَـرٍ اِلَّا اَدْخَلَـهُ اللّٰه هَـذَا الـدِّيْنَ، بِعِزِّ عَزِيْزٍ اَوْ بِذُلِّ ذَلِيْلٍ، عِزًّا يُعِزُّ اللّٰهُ بِهِ الْإِسْلَامَ وَذُلًّا يُذِلُّ اللّٰهُ بِهِ الْكُفْرَ

(مسند احمد، مستدرک الحاکم، مجمع الزوائد)

''یہ دین ہر اُس جگہ تک پہنچ کر رہے گا جہاں دن اور رات کا چکر چلتا ہے (یعنی زمین کے ہر کونے تک) اور اللہ کوئی کچا پکا گھر ایسا نہیں چھوڑے گا جہاں اِس دین کو داخل نہ کر دے، خواہ اُسے عزت کے ساتھ قبول کر لیا جائے یا اُسے رد کر کے ذلت قبول کر لی جائے، عزت وہ ہوگی جو اللہ اسلام کے ذریعے عطاء کرے گا اور ذلت وہ ہوگی جس سے اللہ کفر کو ذلیل کر دے گا۔''

[امام حاکم نے مستدرک الحاکم (4/477 حدیث نمبر 8326) میں اِس حدیث کو امام بخاری و مسلم کی شرائط پر صحیح کا درجہ دیا ہے، مجمع الزوائد (6/14) میں امام الھیثمی نے اِس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی نے السلسلة الصحیحة ((3)32/1) میں اِس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے۔]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ رب العزت اپنے کلمے کو عنقریب سر بلند فرمائیں گے، اپنے دین کی نصرت و حمایت فرمائیں گے لیکن یہ حمایت و مدد تب آئے گی جب مسلمان، اللہ کی مدد کا مستحق بننے کے لئے کرنے کے اصل کام بخوبی انجام دیں گے اور جب بندے نصرت الٰہی کے لیے درکار وسائل جمع کر لیں گے۔ اُس دن مومنین اللہ تعالیٰ کی عطا کی گئی نصرت پر خوشیاں منائیں گے، اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہوگا، اور مشرق و مغرب کی فضاؤں میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی گونج سنائی دے گی، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہمیں بھی وہ دن دکھائے اور بیشک یہ کام اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں۔

معرکۂ ایمان و مادیت

اِس دنیا میں آدم علیہ السلام کی پیدائش سے ہی انسان اور شیطان میں معرکۂ ایمان و مادیت جاری ہے۔ معاشرے میں بدی کو پھیلانے والے عناصر کا مقابلہ معاشرے

میں حق کی آواز بلند کرنے والوں سے جاری ہے۔بدی کو پھیلانے والے عناصر کی مدد علمائے سُوء یعنی برے علماء یا درباری علماء کرتے ہیں جبکہ معاشرے میں حق بات کرنے اور برائی کے خلاف آواز بلند کرنے والوں میں علمائے حق یعنی اچھے علماء پیش پیش ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا تھا:

إِنَّ الْقُرْآنَ وَالسُّلْطَانَ سَيَفْتَرِقَانَ فَلَا تفارَقُوْا الْكِتَاب .

طبرانی فی الکبیر (90/20) عن معاذ ۔ مُسند الشامیین (379/1)

''بے شک حکومت اور قرآن علیحدہ علیحدہ راستے لے لینگے۔ پس تم اُس راستے پر چلنا جس پر قرآن ہو گا اور اُس راستے پر نہ چلنا جس پر حکومت چل رہی ہو گی۔''

(امام الهیثمی نے مجمع الزوائد (428/5) میں اِس حدیث کی سند کے بارے میں کچھ کلام کیا ہے۔البتہ امام ابن حبان کے مطابق یہ حدیث مستند ہے۔)

دورِ حاضر کے مسلمانوں کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہوئی ہے کہ اُنھوں نے قرآن کے راستے کو چھوڑ دیا ہے۔چنانچہ اللہ تعالٰی نے اُن پر غیر مسلموں میں سے یا منافقین میں سے بعض حکمران مسلط کر دیئے جن کے دل میں عوام کے لئے کسی قسم کے رحم کا جذبہ نہیں ہوتا۔ تب ہی تو ہم مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سکھایا ہے کہ ہم دعائے قنوت میں یہ دعا مانگیں:

رَبَّنَا لَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا بِذُنُوْبِنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا وَلَا يَخَافُكَ فِيْنَا

''اے اللہ ہم پر ہمارے گناہوں کی وجہ سے ایسے حکمرانوں کو مسلط نہ کرنا جن کے دلوں میں ہمارے لئے کسی قسم کا رحم نہ ہو اور نہ ہی انھیں ہمارے بارے میں تیرا خوف ہو۔''

چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف قرآن کا بتایا ہوا راستہ ہے اور دوسری طرف سیکولر حکمران ہیں جن کا راستہ قرآن کے راستے سے بالکل مختلف ہے۔اور مسلمان عوام کے

پاس دو ہی راستے(Choices) ہیں، یا تو حکومت کے راستے پر چلیں یا قرآن کے راستے پر۔ اسی لئے علمائے کرام کی بھی دو اقسام ہمیں اسلامی تاریخ میں ملتی ہیں: (۱) علمائے قرآن اور (۲) علمائے سلطان (سرکاری علمائے کرام) (Scholars for dollars)۔ یہ روشن خیال مذہبی مفکرین اور یہ درباری علماء حضرات، مغربی آقاؤں کو یا حکومت کو خوش کرنے کے لیے وہ کام کرتے ہیں جس کی طرف قرآن نے اِن الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

﴿ يُحَرِّفُوْنَ كَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِه ﴾ (سورہ النساء: 46)

(یعنی یہ لوگ الفاظ کو اُن کے محل (Context) سے پھیر دیتے ہیں۔)

یہ روشن خیال مذہبی مفکرین اور یہ درباری علماء حضرات، لفظوں کی بازی گری کرکے قرآن اور حدیث کے معانی کو بدل دیتے ہیں:

احکام تیرے حق ہیں پر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پازند

اگر ہم اسلام بلکہ مذاہب عالم کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ دنیا دار بادشاہ و امراء، ضمیر فروش علماء اور جاہ پسند درویش، یہی وہ تینوں عناصر فساد ہیں جنھوں نے ہر دور میں مذہب کے درخت کو دیمک کی طرح کھایا۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنے ایک عربی شعر میں اِن تینوں کرداروں کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سمو دیا ہے:

وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمَلُوْكِ
وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَّرُهْبَانُهَا

(دین کو محض بادشاہوں، بُرے علماء اور غلط کار درویشوں نے خراب کیا ہے۔)

موجودہ زمانے کی اکثر مسلمان حکومتیں وہی رول ادا کر رہی ہیں جو فرعون نے موسیٰ علیہ

السلام کے ساتھ کیا تھا اور اُن کے درباری علماء، فرعون کے مشیروں بالخصوص ہامان کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ایسے ہی روشن خیال اور ماڈرنسٹ اسلامی علماء کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں پیشین گوئی کی تھی:

وإنَّمَا اَخَافُ عَلیٰ اُمَّتِی الْاَئِمَّةَ الْمُضَلِّیْنَ .

(سنن ابی داؤد. کتاب الفتن والملاحم)

''مجھ کو بڑا خوف گمراہ کرنے والے پیشواؤں سے ہے۔''

لیکن اللہ تعالیٰ نے اِس دنیا میں عام طور پر اپنی سُنت ایسی رکھی ہے کہ وہ اِس دنیا کی آزمائشوں کے ذریعے اچھے اور بُرے علماء کو چھانٹ لیتا ہے، چاہے بُرے علماء کو دجالی میڈیا کا کتنا ہی کوریج (media coverage) کیوں نہ حاصل ہو جائے۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الٓمٓo أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ o وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ o أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَن يَسْبِقُونَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ o مَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ o وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ o

(الف۔لام۔میم۔کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ''ہم ایمان لائے'' اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم اُن سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو اِن سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔اور کیا وہ لوگ جو بری حرکتیں کر رہے ہیں یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ ہم سے بازی لے جائیں گے؟ مقرر کیا ہوا وقت آنے ہی والا ہے، اور اللہ سب کچھ

سنتااور جانتا ہے۔ جو شخص بھی مجاہدہ کریگا، اپنے ہی بھلے کے لیے کرے گا، اللہ یقیناً دنیا جہان والوں سے بے نیاز ہے۔)

اِس سلسلے میں امام احمد بن حنبل کی مثال ہی دیکھ لیں کہ فتنہ خلق قرآن میں اُس دور کا ''حکومتی میڈیا'' اُن کے مکمل خلاف تھا۔ حکومت کا ہر ''چینل'' اُن کے خلاف زہر اُگل رہا تھا۔ اُن کو ہر طرح سے بدنام کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ اُس دور کے میڈیا کے ''سیاسی ماہرین'' اور ''روشن خیال مفکرین''، امام احمد بن حنبل کے موٴقف کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کررہے تھے لیکن امام احمد بن حنبل نے حکومت کو صاف کہہ دیا تھا:

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ يَوْمُ الْجَنَائِزْ

(ہمارے اور تمہارے درمیان مرنے کے دن فیصلہ ہوگا۔)

پھر لوگوں نے اُس ولی اللہ کی پیشین گوئی کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھا۔ جب خلیفہ معتصم مرا، مامون مرا اور واثق باللہ مرا تو اُن کے جنازوں میں صرف حکومت کے حمایتی لوگوں اور درباری علماء نے شرکت کی لیکن جب امام احمد بن حنبل کی وفات ہوئی تو اُن کا جنازہ اتنا بڑا تھا کہ اُس جنازے کو دیکھ کر کئی ہزار یہودی اور عیسائیوں نے اسلام قبول کرلیا۔ دراصل درباری علمائے کرام اور روشن خیال مفکروں کی صرف ''ایک آنکھ والے میڈیا'' پر حکومت ہوتی ہے جبکہ علمائے حق کی حکومت لوگوں کے دلوں پر ہوتی ہے، کسی بادشاہ یا صدر کے حکومت پر سے ہٹنے کے بعد بھی اُن کی مقبولیت ماند نہیں پڑتی۔ رسولِ کریمؐ نے ایک حدیث میں فرمایا تھا:

اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَادِرْهَمًا اِنَّمَا وَرَّثُوْا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ

(ترمذی۔ شیخ البانی نے اِس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے)

''علماء (حق پرست)، نبیوں کے وارث ہوتے ہیں۔ ہم انبیاء لوگ درہم و دینار وراثت میں نہیں چھوڑتے۔ پس جس نے علم کو وراثت میں حاصل کیا اُس نے بہت بڑی بھلائی حاصل کرلی۔''

اِس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حق بات کہنے والے علماء ہر معاملے میں نبیوں کے وارث ہوتے ہیں۔ چونکہ حق کے راستے میں رسولوں اور نبیوں پر شدید آزمائشیں بھی آتی ہیں، تو اِس حدیث کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ حق بات کہنے والے علماء پر بھی آزمائشیں لازمی طور پر آتی ہیں۔ جس طرح اللہ کے رسولوں اور نبیوں کو اپنے دور میں پریس اور میڈیا کوریج (Media Coverage) نہیں ملتا تھا، بالکل اُسی طرح آج حق بات کہنے والے علماء پر ''دہشت گرد'' یا ''بنیاد پرست'' یا ''کٹر مذہبی'' کا الزام لگا کر اُنھیں میڈیا پر آ کر اپنا موقف واضح کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔ جس طرح انبیاء و رسل کی حق باتوں کی کڑواہٹ سے اکثر لوگ ناراض ہوجاتے ہیں اسی طرح حق بات کہنے والے علماء سے بھی اکثر لوگ ناراض ہی رہتے ہیں:

؎ اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

امام احمد بن حنبل کے بیٹے عبداللہ بن احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے والد احمد بن حنبل کی زبان سے اکثر یہ سنا کرتے تھے: رَحِمَ اللّٰہُ اَبَا الْھَیْثَم (اے اللہ، ابو ھیثم پر رحم فرما یعنی اسے معاف فرمادے) تو میں نے اُن سے پوچھا کہ یہ کون خوش قسمت شخص ہے کہ جس کے لئے آپ دعا کرتے رہتے ہیں تو امام احمد بن حنبل نے اپنے بیٹے کو بتایا:

''جب میں قرآن کو مخلوق نہ کہنے کی وجہ سے جیل میں تھا تو علماء کا ایک گروہ میرے پاس آیا اور اُنھوں نے مجھے نہایت ہمدردی سے مشورہ دیا کہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ صرف ایک جملے کی وجہ سے میں جیل میں پڑا ہوں۔ مجھے حکومت سے سمجھوتہ

کر لینا چاہیے۔ وہ لوگ درباری علماء بھی نہ تھے بلکہ مخلص علماء نظر آرہے تھے۔ چنانچہ قریب تھا کہ میرے قدم ڈگمگا جاتے کہ اتنے میں جیل کے دوسرے کونے سے ایک شخص آیا جس کا نام تھا ''ابو ھیثم الحدّاد''۔

ابو الھیثم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ میں نے جواب دیا: ''نہیں''۔ اُس نے مجھے بتایا:

''میرا نام ابو الھیثم ہے۔ میں مشہور چور اور دھوکہ باز ہوں۔ مجھے امیر المومنین کی عدالت نے 80 کوڑوں کی سزا دی ہے لیکن میں سزا پانے کے بعد رہا ہو کر بھی اپنے کام سے پیچھے نہیں ہٹوں گا اور دھوکہ اور چوری جاری رکھوں گا۔''

پھر ابو الھیثم نے امام احمد کو کہا:

صَبَرْتُ فِی ذٰلِکَ عَلٰی طَاعَةِ الشَّیْطَانِ لِأَجْلِ الدُّنْیَا فَاصْبِرْ اَنْتَ فِی طَاعَةِ الرَّحْمٰنِ لِأَجْلِ الدِّیْنِ

''میں نے شیطان کی اطاعت میں اور دنیا کی حرص میں اپنے کام میں استقامت اختیار کی ہے تو تم بھی اللہ کی اطاعت میں اپنے دین کے لئے اپنے موقف پر ڈٹے رہنا۔''

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ابو الھیثم کی اِس نصیحت کے بعد مَیں حکومتِ وقت کے سامنے پہاڑ کی طرح ڈٹ گیا۔ پھر حکومت کے سامنے میری گردن نہ جھکی۔

غرض کہ جو شخص جتنا مذہبی اور حق بات کہنے والا ہوگا، اُس پر اتنی ہی سخت آزمائشیں آئیں گی جیسا کہ احادیث میں واضح طور پر بیان ہوا ہے؛

قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً ؟ قَالَ : اَلْاَنْبِیَاءُ ، ثُمَّ

اَلْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ ، يُبْتَلِيَ الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ

(ترمذی، هذاحديث حسن صحيح)

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ انسانوں میں سب سے شدید آزمائش کس پر آتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: نبیوں پر، پھر اُن لوگوں پر جونبیوں کوسب سے زیادہ Follow کرتے ہیں ،پھر اُن لوگوں پر جواُن کے بعد کے درجے پر ہوتے ہیں۔ بندہ جتنا مذہبی ہوتا ہے اتنی ہی سخت اُس کی آزمائش ہوتی ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ

(المستدرک علي الصحيحين. 3:343)

''انسانوں میں سب سے شدید آزمائش نبیوں پر آتی ہے۔پھر علماء پر۔ پھر جو لوگ اُن کے مثل ہوتے ہیں۔''

اسی حقیقت کو پنجابی صوفی شاعر میاں محمد بخش صاحب نے ''سیف الملوک'' کے ایک شعر میں بیان فرمایا تھا:

دنیا تے جس دکھ نین پایا اوہ کیوں ایا کیویں ایا
پچھ بلال اویس دے کولوں انہاں کیویں یار منایا

حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں برائی کے خلاف آواز بلند کرنے اور برائی کو روکنے کے لئے جہاد کرنے والے علماء ہی حقیقت میں کامیاب لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن فرماتا ہے:

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُوْلٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقًا ٥

''جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔'' (سورہ النساء: 69)

اور جن کے متعلق اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

أَقْرَبُ النَّاسِ مِنْ دَرَجَةِ النُّبُوَّةِ أَهْلُ الْعِلْمِ وَ أَهْلُ الْجِهَاد

(الفقيه و المتفقه، الخطیب البغدادی)

''انبیاء کے قریب ترین لوگ علماء اور مجاہدین ہیں''۔

[اِس حدیث کو امام الغزالی نے ''احیاء العلوم الدین'' میں اور ابونعیم نے بأسناد عبداللہ بن عباس ؓ بھی روایت کیا ہے لیکن محدث الخطیب البغدادی کی الحق بن عبداللہ سے کی گئی روایت (الفقیہ والمتفقہ، جلد 1، صحفہ 35، مطبوعہ دار ابن جوزی، 1417ھجری) زیادہ قوی ہے۔]

آج کے مسلمان لیڈر اور میڈیا کے درباری علماء

روشن خیال مفکرین اور منافق علماء کے متعلق قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ مومنین کو اُن کی لفاظی یا ٹی وی پر جادو بیانی سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ (All that Glitters is not Gold) جب مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

مسجدِ نبوی کی بنیاد رکھی تھی تو اِس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد مدینہ سے ذرا باہر منافقین نے **"مسجد ضرار"** کے نام سے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائی۔ اپنی رعنائی تعمیر، اور اپنی ظاہری سجاوٹ میں مسجدِ ضرار، مسجدِ نبوی سے کہیں بڑھ کر تھی۔ مسجدِ ضرار کے مقابلے میں مسجدِ نبویؐ ایک سادہ سی مسجد تھی لیکن مسجدِ نبوی کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔ مسجدِ ضرار اپنی تمام تر ظاہری چمک دمک کے باوجود اور اُس میں سرکاری اور روشن خیال علماء مثلاً عامر راہب جیسے لوگوں کی شعلہ بیاں تقریروں کے باوجود حقیقت میں منافقین کی مسجد تھی جسے بالآخر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ لگادی۔ بس یہی انجام مسلمانوں میں موجود روشن خیال مفکرین اور علماء (Wicked Scholars and Modernists) کا دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور ہوگا:

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ٥ (سورہ المنافقون: 4)

"انہیں دیکھو تو اُن کے جثے (bodies) تمہیں بڑے شاندار نظر آئیں۔ بولیں تو تم اُن کی باتیں سنتے رہ جاؤ۔ مگر اصل میں یہ گویا لکڑی کے کندے ہیں جو دیوار کے ساتھ چن کر رکھ دیے گئے ہوں۔ ہر زور کی آواز کو یہ اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہ پکے دشمن ہیں اِن سے بچ کر رہو، اللہ کی مار اِن پر، کدھر اُلٹے پھرائے جارہے ہیں۔"

آخری زمانے کے علمائے سوء کے حوالے سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی لرزا دینے والی پیشین گوئیاں کی ہیں جنہیں پڑھ کر ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ امام ترمذیؒ **"نوادر الاصول"** میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یکون فی امتی فزعة فیصیر الناس الی علما ئھم فاذا ھم قردة وخنازیر. (نوادر الا صول، امام ترمذی)

''میری اُمت میں ایک دہشت ناک واقعہ ہوگا، پس جب لوگ (گھبرا کر) اپنے علماء کی طرف پلٹیں گےتو دیکھیں گے کہ وہ بندر اور خنزیر (بن چکے) ہوں گے۔''

(یہ حدیث امام ترمذی نے نوادر الا صول میں ابواُمامہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے اور اس حدیث کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے اس کی صحت پر کلام کیا ہے۔)

نیز بعض احادیث میں بعد کے زمانوں کے اُن علماء اور روشن خیال دانشوروں کا بھی تذکرہ ہے جو اِس اُمت کو جہاد فی سبیل اللہ سے روکیں گے اور کہیں گے کہ جہاد کا دور گزر چکا، اب تو سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے، تہذیب وتمدن کا دور ہے، جدید ذرائع ابلاغ کا دور ہے۔ ایسے میں قتل وقتال کی بات کرنا، گردنیں مارنے کا تذکرہ چھیڑنا، دشمن کو ہیبت زدہ کرنے کے لئے اپنی سواریاں اور ہتھیار تیار رکھنا، غنیمت چھیننے اور زخمی بنانے کے عزائم رکھنا، قیدی پکڑنے اور غلام ولونڈیاں بنانے کے احکامات یاد دلانا کیونکر مناسب ہوسکتا ہے؟ چنانچہ ابن حمادؒ اپنی کتاب ''السنن الواردة فی الفتن'' میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یزال الجھاد حلوًا خضراً ما قطر القطر من السمآء، وسیأتی علی الناس زمان یقول فیه قراء منھم: لیس ھذا بزمان الجھاد، فمن أدرک ذلک الزمان فنعم زمان الجھاد، قالوا: یارسول اللہ اَو أحد یقول ذلک؟ قال: نعم، من علیه لعنه اللہ و الملائکة والناس أجمعون.

(السنن الواردة فی الفتن، نعیم بن حماد)

''جب تک آسمان سے بارش کے قطرے برستے رہیں گے جہاد ہمیشہ یونہی تروتازہ رہے گا اور لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جب اُن کے علماء کہیں گے کہ یہ زمانہ جہاد کا زمانہ نہیں ہے۔ پس جو یہ زمانہ پائے تو جہاد کرنے کے لیے یہ کیا ہی خوب زمانہ ہوگا! لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا کوئی مسلمان (جہاد کے خلاف) ایسا بھی کہہ سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! وہ جس پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو!''

[یہ حدیث ابن ابی زمنین نے بھی اصول السنة میں روایت کی ہے۔اِس حدیث کی سند کے راویوں میں سے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے علاوہ باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔]

جبکہ کنز العمال کی روایت میں اِن الفاظ کا اضافہ ہے:

''......أُولٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ۔'' (کنز العمال)

''......یہی لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔''

علماء کے راہِ حق سے پھسلنے اور ''علمائے حق'' کے زمرے سے نکل کر ''علمائے سوء'' کی فہرست میں داخل ہونے کا اہم ترین سبب حکمرانوں سے قربت ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی عالمِ اسلام کسی حکمران طبقے سے میل جول رکھتا ہے، حاکم اور اُس کے وزراء کی مجلسوں میں بیٹھتا ہے، اُن کے دسترخوانوں پر شریکِ طعام ہوتا ہے، سرکاری نوکریوں اور اعلیٰ حکومتی مناصب کے حصول کے لیے کوشاں رہتا ہے، خود دعوت دے دے کر حکام کو اپنے مدارس و مساجد میں بلاتا ہے، خود چل کر اُن کے دروازوں پر جاتا ہے، سرکاری تقریبات اور کانفرنسوں میں شامل ہونے کو اپنی سعادت سمجھتا ہے، تو ایسا عالم ضرور بالضرور حق گوئی کی صفت سے محروم ہو جاتا ہے، اُس کی زبان پر تالے پڑ جاتے ہیں، اُس کے قلب میں پیسے کی محبت اور عہدے کی محبت جیسی خطرناک روحانی بیماریاں نہایت خاموشی سے جگہ بنا لیتی ہیں اور بہت جلد وہ اِس حقیر دنیا کے

عوض اللہ کی آیات بیچنے کا مکروہ کاروبار شروع کردیتا ہے۔

حافظ ابوفتیان دھستانی ؒ نے اپنی کتاب ''التحذیر من علماء السوء '' میں اور امام رافعی ؒ نے ''تاریخ قزوین '' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ أبغض الخلق اِلی اللہ تعالیٰ العالم یزور العمّال.

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض اور مردود ترین مخلوق وہ عالم ہے جو عاملوں (سرکاری اہلکاروں) سے میل جول رکھتا ہے''۔

جبکہ حافظ ابوفتیان ؒ کی روایت کردہ دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

اِنَّ أھون الخلق اِلی اللہ العالم یزور العمّال.

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر ترین مخلوق وہ عالم ہے جو عاملوں (سرکاری اہلکاروں) سے میل جول رکھتا ہے''۔

امام ابن ماجہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ أبغض القراء الی اللہ تعالٰی الذین یزورون الاُمَرَاء.

(سنن ابن ماجه)

''یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین قاری وہ ہیں جو امراء سے میل جول رکھتے ہیں۔''

امام ابن ماجہ بعض ثقہ راویوں کی وساطت سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اُناساً من اُمتی سیتفقھون فی الدین، ویقرؤون

القرآن، ویقولون نأتی الامراء، فنصیب من دنیا هم، ونعتزلهم بدیننا ولایکون ذلک کما لا یجتنی من القتاد اِلّا الشوک، کذلک لا یجتنی من قربهم اِلّا الخطایا.

(سنن ابن ماجه)

''میری امت میں سے کچھ لوگ دین میں تفقہ حاصل کریں گے، قرآن پڑھیں گے اور کہیں گے کہ ہم امراء (حکام اور حکومتی عہدیداروں) کے ہاں جاتے ہیں تا کہ اُن کی دنیا سے بھی کچھ لے لیں اور اپنے دین کو بھی بچا رکھیں، جبکہ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ جس طرح ببول کے درخت سے کانٹوں کے سوا کچھ نہیں ملتا، اُسی طرح اُن اُمراء (حکام اور حکومتی عہدیداروں) کی قربت سے بھی خطاؤں کے سوا کچھ نہیں ہاتھ آتا''۔

امام حسن بن سفیانؒ نے اپنی ''مسند'' میں، امام حاکمؒ نے اپنی ''کتاب تاریخ'' میں، نیز امام ابونعیمؒ، امام عقیلیؒ اور امام دیلمیؒ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

العلماء أمناء الرسل علی عباد الله مالم یخالطوا السلطان، فاذا خالطوا السلطان فقد خانوا الرسل فاحذروهم، واعتزلوهم.

(مسند حسن بن سفیان ، کتاب التاریخ لامام الحاکم)

''علمائے کرام، اللہ کے بندوں کے درمیان رسولوں کے (ورثے کے) امین ہوتے ہیں جب تک کہ وہ حاکم کے ساتھ نہ گھلیں ملیں۔ پس اگر وہ حاکم کے ساتھ گھلے ملے تو بلاشبہ اُنہوں نے رسولوں سے خیانت کی۔ تو (جو علماء ایسا کریں) تم اُن سے خبردار رہنا

اور اُن سے بالکل علیحدہ ہو جانا۔''

(امام رافعیؒ نے بھی اپنی کتاب تاریخ میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔)

امام بیہقی نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إن على أبواب السلطان فتناً كمبارك الإبل، لاتصيبون من دنيا هم شيئًا إلَّا أصابوا من دينكم مثله"

''یقیناً حکمران کے دروازوں پر فتنے یوں ڈیرے جمائے ہوتے ہیں گویا اُونٹوں کی قیام گاہوں پر (اُونٹ بیٹھے) ہوں۔ تم اُن کی دنیا میں سے جو کچھ بھی پاؤ گے، وہ اُس کے برابر تمہارے دین میں سے لے لیں گے۔''

اسی قسم کے درباری علماء کے متعلق اقبال نے کہا تھا:

ے فتنہ ملت بیضا ہے امامت اُس کی
جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

الغرضیکہ موجودہ دور کے مسلمانوں جیسے نام رکھنے والے رہنماؤں اور بعض نام نہاد مذہبی اور تقریباً تمام سیاسی تنظیموں کا حال وہی ہے جو اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرعون کا حال بیان کیا ہے کہ فرعون بھی اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا اور یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ جو کہتا اور کرتا ہے وہی درست اور ٹھیک ہے۔ اِس لئے فرعون یہ چیز قطعاً برداشت نہیں کرتا تھا کہ اُس کے سامنے کوئی حق کی بات کہے اور اُس کی صفوں میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اُس کے موقف کے مخالف ذرا سا بھی سچائی کا ساتھ دے۔ چنانچہ سورہ مومن میں ذکر ہوا ہے کہ فرعون اور اُس کے حواریوں کو جب ایک مومن شخص نے حق کی دعوت دینے کی کوشش کی تو فرعون نے اُس کو برداشت نہیں کیا اور حق کی بات بے اثر اور بیکار بنانے اور لوگوں کو اُس سے متنفر کرنے کے لیے اپنے حواریوں سے یہ کہا:

قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَى وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِo

(سورۃالمومن :29)

''فرعون نے کہا کہ میں تمہیں وہی بات سمجھاتا ہوں جو مجھے مناسب نظر آتی ہےاور میں تمہیں بھلائی کی راہ کےسوا اور کوئی راستہ نہیں دکھاتا۔''

اِس آیت کریمہ سے یہ پتا چلتاہے کہ فرعون بھی یہی دعویٰ کرتا تھا کہ ''میں حق پر ہوں اور میں تمہیں جوراہ دکھارہاہوں وہی صحیح اور کامیابی کی راہ ہے''۔آج ان لیڈروں اور تنظیموں کے سربراہوں نے اسی روش کو اختیار کر کے اِس قدر عصبیت اور تنگ نظری کو فروغ دیا ہے کہ اُن کے کارکن اور حامی افرادحق کی بات سننا تک گوارا نہیں کرتے اور جو کوئی انہیں صحیح بات کی طرف نشاندہی کرےتو اُس پرغوروفکر کرنے کی بجائے اُس سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔ وہ ایسا اِس وجہ سے کرتے ہیں کیونکہ اُن کی ذہنی ساخت ہی یہ بن چکی ہے کہ حق بس وہی ہے جواُن کے رہنمااوراُن کی تنظیم یاپارٹی کے سربراہان بتاتے ہیں۔اُس کےسوا جو کچھ ہے وہ تمام باطل ہے۔ حدتو یہ ہے کہ اکثر اوقات بعض لیڈرحضرات اوراُن کی پارٹیاں اعلانیہ طور پر باطل کا ساتھ دے رہی ہوتی ہیں مگران کے کارکنان ،معتقداور پیروکار حق کےعیاں ہونے کے باوجود اُن باطل پرست لیڈروں اور جماعتوں کا ساتھ دیتے ہیں اور انہیں تقویت پہنچانے سے باز نہیں آتے۔ایسااِس لئے ہوتا ہے کہ یہ مسلم عوام اپنے لیڈروں اوراُن کی تنظیموں یا پارٹیوں کی باتوں کواصل اسلامی تعلیمات کی بجائے اپنی عقل پر پرکھتے ہیں۔

یہ اسی سوچ اورذہنیت کا شاخسانہ ہے کہ ہر پارٹی، تنظیم،تحریک اوراُس کے لیڈر حضرات اپنے نقطۂ نظر کوصحیح اور حق پر سمجھنے کی وجہ سے یہ ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے کہ وہ حق کو پہچان کراُس پر چلیں اور دنیا میں رونما ہونے والے حالات وواقعات میں حق پر ثابت قدمی کو اپناتے ہوئے اُس کے تقاضوں کوپورا کریں۔اسی وجہ سےاگر ہم اپنے اردگرد نظر دوڑائیں گے توہمیں پتہ چلے گا کہ ہر پارٹی اوراُس کے رہنماوکارکنان کی اپنی الگ سوچ وفکر ہے۔ وہ سب

اپنی پارٹی کے طریقہ کار پر خوش ہیں اور اُسے ہی حق سمجھ کر اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالی نے تفرقے بازی کی ایسی ہی صورتحال کی عکاسی کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ o (سورة الروم :32)

''ہر جماعت کے پاس جو کچھ ہے وہ اُس پر نازاں وفرحاں ہے۔''

دجالی میڈیا کی اسلام دشمنی

دجالی تہذیب کی سب سے نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ ہر بدباطن شے کو انتہائی خوشنما اصطلاحات میں ملفوف کر کے اُس کا اصل چہرہ چھپا لیتی ہے اور یوں دجل وفریب کے سہارے کفر کو فروغ دیتی ہے۔ دنیا کو آج جو معرکہ روح و بدن درپیش ہے اُس میں دجالی تہذیب کو سب سے بڑا سہارا دجالی میڈیا کا ہے جس کا اولین ہدف (primary target) اسلام اور اسلامی تہذیب ہے۔ مغربی معاشرے میں سلمان رُشدی، گستاخانہ کارٹون بنانے والا ملعون مصور، امریکہ میں قرآن کو جلانے والا بدبخت پادری اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین آمیز فلم بنانے والا خبیث قبطی پادری، ان سب کو مغربی میڈیا آزادی اظہار (freedom of speech) کی علامت کے طور پر جانتا ہے۔ اپنی کتاب "I am Malala" کے اندر سلمان رُشدی کی تعریفیں کرنے والی اور گوتم بدھ کے بُتوں سے بے پناہ محبت کا اظہار کرنے والی، دین اسلام سے خارج مُرتد ملالہ یوسف زئی کو مسلمان ممالک سے اعلانِ جنگ کرنے والے ہر صلیبی مُلک نے اپنی شہریت (honorary citizenship) پیش کی۔ اِن سب کا اصل کارنامہ اسلام پر کیچڑ اچھالنا اور اسلام کو بدنام کرنا ہے لیکن مغرب اپنے دوہرے معیاروں کی وجہ سے اِن اشخاص کے کرتوتوں پر ''آزادیٔ اظہارِ رائے'' کا خوبصورت لبادہ چڑھا کر پیش کرتا ہے۔

اِس پر مستزاد یہ کہ مغرب نے مسلم معاشروں میں روشن خیال مفکروں، ادنکر پرستوں اور دانشوروں کی ایک پوری فوج ظفر موج تیار کر لی ہے جو اُمت کے سامنے اسلام کا مسخ شدہ

ایڈیشن پیش کریں۔

مثلاً ابھی حال ہی میں اے بی سی نیوز ایجنسی کی ایک رپورٹ میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ نائن الیون کے حملوں کے بعد پاکستان کے تقریباً 70 سے زائد صحافی، کالم نگار اور اینکر پرسن (anchor-persons) ایسے ہیں جن کے اثاثوں میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے اور جن کے اندرون و بیرون ملک اثاثوں کی مالیت اربوں روپے تک جا پہنچی ہے۔ پیسے میں بڑی طاقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹی وی سکرینوں پر براجمان ''ماڈریٹ اور روشن خیال'' بلکہ ''اسلام دشمن'' اینکر پرسن اور اخباری صفحات پر اپنے دل و دماغ کی سیاہی منتقل کرنے والے یہ سیکولر اور ملحد مفکرین ہر وقت مجاہدین کو مسلم عوام کی نظر میں ظالم اور سنگ دل پیش کرنے کے لئے مکروفریب اور جھوٹ کے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑ دیتے ہیں۔

دوسری طرف دجالی میڈیا، موسیقاروں، فنکاروں، کھلاڑیوں اور سیاسی مداریوں کو مسلم عوام کے سامنے ہیرو بنا کر پیش کرتا ہے۔ آج دنیا کو کھیل اور تفریح میں مست رکھنے کے لئے مغربی میڈیا بلکہ مسلم ممالک کے میڈیا نے بھی کھیل کو ایک باقاعدہ صنعت کا درجہ دے دیا ہے۔ ہر کھیل کے لئے کچھ ہیرو بھی تراشے گئے ہیں جن کی پیروی کو نوجوان نسلیں اپنے لیے سرمایہ افتخار سمجھتی ہیں۔ مغرب نے ایک طرف عسکری یلغار سے اسلامی تہذیب پر حملہ کیا ہے تو دوسری طرف فکری یلغار سے مسلمانوں کے ذہنوں کو پراگندہ کیا ہے۔ باقی مذاہب تو اِس یلغار کے سامنے رفتہ رفتہ دم توڑ گئے لیکن مذہب اسلام چونکہ سخت جان تھا اِس لیے وہ اس خالی میدان میں اکیلا کھڑا اِس دجالی یلغار کا مقابلہ کر رہا ہے۔ ویسے بھی یہ سعادت بہرحال اسلام کے حصے میں ہی آنی چاہیے تھی جو اللہ کا آخری پیغام ہے اور جسے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کی طرف لے کر آئے۔

عصرِ حاضر میں مغربی میڈیا اسلام پر صحیح عمل کرنے والوں کو انتہا پسند (extremist) کا لیبل لگا دیتا ہے۔ پھر کمزور ایمان رکھنے والے اور ٹی وی کے سامنے بیٹھنے

والے مسلمان بھی میڈیا کی زبان بولنا شروع کر دیتے ہیں اور اُن کمزور ایمان والے مسلمانوں کو اِس بات کا اندازہ تک نہیں ہوتا کہ میڈیا کے سامنے بیٹھ کر فاسقوں کے منہ سے ''عالمی خبر نامہ'' سُن سُن کر اُن کی ایسی برین واشنگ ہو چکی ہے کہ اب وہ پوری دنیا کو میڈیا کی عینک سے دیکھنا شروع ہو چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اسلام ہی دنیا کا واحد معتدل مذہب (Moderate Religion) ہے جبکہ باقی تمام مذاہب اور ''ازم'' انتہاء پسند ہیں۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ (سورہ البقرہ: 143)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں (اُمت مسلمہ کو) ایک اُمت وسط (Middle Nation) بنایا ہے۔''

اِس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت اسلام ہی دنیا میں واحد درمیانی راستہ ہے۔ باقی تمام مذاہب اور ازم وغیرہ یا تو ایک انتہاء کی طرف ہیں یا دوسری انتہاء کی طرف۔ آج ایک طرف سیکولر انتہاء پسند (Secular Extremist Media) میڈیا ہے تو دوسری طرف روشن خیال انتہاء پسند (Liberal Extremist Thinkers) دانشور ہیں۔ کہیں انتہاء پسند منافق (Hypocrite Extremists) ہیں جو صرف مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں اور مسلمان نام رکھتے ہیں وگرنہ ان منافق انتہاء پسندوں اور لبرل مفسدوں کے دل میں مغربی تہذیب کے لیے انتہاء درجہ کی محبت ہے کیونکہ یہ لوگ (Extermists in Love of Western Culture) ہیں۔ کہیں ہمارے پاکستان میں انڈیا اور ہندوانہ تہذیب سے انتہاء درجہ کی محبت کرنے والے انتہاء پسند (Extremist Lovers of India) پائے جاتے ہیں تو کہیں ہمارے درمیان جدیدیت کے انتہاء پسند (Extremist Modernists) پائے جاتے ہیں۔ لیکن کیا کریں کہ ''جس کا میڈیا اُسی کی بھینس'' کے مصداق چونکہ میڈیا اِن ہی انتہاء پسندوں کے پاس ہے اِس لیے وہ اسلام جیسے معتدل (Moderate) مذہب کا کلمہ پوری دنیا میں بلند کرنے والوں کو ''انتہاء پسند'' کا لیبل لگا

دیتا ہے تو ہر کوئی میڈیا کی زبان بولنا شروع کر دیتا ہے۔ مسلم صحافی اوریا مقبول جان پاکستان کے دجالی میڈیا کے نیوز رُوم میں ہونے والی کاروائیوں کی منظر کشی درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

''اسلام اور مسلمانوں کو ہدف بنا کر جس قدر تسکین دنیا بھر کے میڈیا اور پاکستانی میڈیا کے ''عظیم دانشوروں'' کو ہوتی ہے اُس کا اندازہ آپ صرف کسی نیوز رُوم میں بیٹھ کر لگا سکتے ہیں، وہ نیوز رُوم جہاں کسی دھماکے، قتل، اغوا یا ایسے کسی جرم کی خبر آچکی ہو اور ٹیلی ویژن پر چل رہی ہو تو متلاشی نظریں اور کان بے چینی سے انتظار کر رہے ہوتے ہیں، تجسس میں ایک دوسرے سے سوال کیے جاتے ہیں: ''طالبان نے ذمہ داری قبول نہیں کی ابھی تک؟ پتہ تو کرو، عالمی میڈیا کو دیکھو، کسی ویب سائٹ پر ڈھونڈو'' اور اگر ذرا بھی تاثر مل جائے تو پھر دیکھیں اگلے چوبیں، اڑتالیس یا بہتر گھنٹے کی نشریات کے لئے موضوع مل جاتا ہے۔ خوب چلاؤ اور رگڑ دو شرعی قوانین کو، اسلام کی شرعی حیثیت کو اور خود اسلام کو......''

(''جنرل صاحب نے یہ کیا کہہ دیا؟'' اوریا مقبول جان، ہفت روزہ ندائے خلافت، لاہور، 24 تا 30 دسمبر 2013ء)

موجودہ زمانے میں اکثر مسلمانوں کے نقطۂ نظر اور اندازِ فکر کو مغربی میڈیا تشکیل دیتا ہے کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت مغربی میڈیا کے سامنے بیٹھ کر خبریں سنتی ہے حالانکہ قرآن ہمیں اِس معاملے میں سورہ الحجرات میں خبردار کرتا ہے۔ اگر فاسق کی خبروں کا یہ حال ہے تو جب خبریں دینے والا اگر کافر ہو تو پھر اُس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ مغربی میڈیا کا سب سے بڑا خطرہ یہ ہوتا ہے کہ اُس نے بظاہر سچائی اور غیر جانبداری کی چادر اپنے اوپر چڑھائی ہوئی ہے لیکن حقیقت میں وہ شیطان کے آلہ کار کے علاوہ کچھ نہیں۔ کیا ہم دیکھتے نہیں کہ کس طرح مغربی میڈیا غیر مسلم صلیبی افواج کے ہاتھوں مسلم ممالک میں مسلمانوں پر ہونے والے

مظالم کو مسلسل کم کر کے دکھاتا ہے جبکہ اگر دنیا کے کسی خطے میں مسلمانوں سے کوئی چھوٹی سی غلطی بھی ہو جائے تو اُسے خوب بڑھا چڑھا کر اور لیبل لگا کر پیش کرتا ہے۔ کیا ہم دیکھتے نہیں کہ کس طرح مغربی میڈیا اولیاء اللہ کو جو اللہ کے دین کو دنیا میں نافذ کرنے کے لئے اور اپنے ممالک کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے جہاد میں مصروف ہیں، شیطان کا پیروکار بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے جبکہ آج کے فرعون اور اُس کی دجالی افواج کو دنیا کا محسن بلکہ پوری دنیا میں امن پھیلانے والی افواج (United Nations peace-keeping forces) بنا کر دکھاتا ہے جبکہ در پردہ اُن کا مقصد مل کر مسلم ممالک کے وسائل کو لوٹنا ہوتا ہے کیونکہ اقوامِ متحدہ دراصل ''مسلمانوں کے خلاف متحدہ اقوام'' (United Nations against Muslims) کے سوا اور کچھ نہیں:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لاَ تُفْسِدُوا فِي الأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ٥ أَلا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِن لاَّ يَشْعُرُونَ ٥

(سورہ البقرہ: 11, 12)

''جب کبھی اُن سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو، تو اُنہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار! حقیقت میں یہی لوگ فساد پھیلانے والے ہیں مگر اِنہیں شعور نہیں ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ مغربی میڈیا اور اُسی کے نقشِ قدم پر چلنے والے پاکستان کے نیوز میڈیا کا وہی طریقہ ہے جو ہٹلر کے وزیر نے کہا تھا: ''جھوٹ کو اتنی بار بولو کہ وہ سچ معلوم ہونے لگے۔'' مثلاً میڈیا والوں کا طریقۂ واردات (modus operandi) یہ ہے کہ یہ لوگ پہلے اپنے پاس سے مجاہدین کے خلاف کوئی جھوٹ گھڑ کر نیوز پر پیش کرتے ہیں۔ پھر اُس جھوٹی خبر پر یہ اینکر پرسن مختلف لوگوں کی آراء لیتے ہوئے مختلف ٹاک شوز، تجزیوں، مضامین، خبریں اور ٹی وی پروگرامات کے ذریعے سے اُس خبر کو اِس طرح سے کوریج دیتے ہیں کہ وہ بات سچ

محسوس ہونے لگتی ہے۔ پھر اس پروپیگنڈہ کو مزید پھیلانے کے لئے امریکہ اور دیگر مغربی صلیبی ممالک کے حکمرانوں اور اُن کے میڈیا اداروں کے اِس پروپیگنڈے کی بابت دھمکی آمیز بیانات، الزامات پر مشتمل موقف، تبصرے اور خیالات کو نشر کیا جاتا ہے تاکہ لگاتار جھوٹ پر جھوٹ بولنے سے عوام اُس کو سچ سمجھنے لگ جائیں۔ یہ ایک آنکھ والے دجالی میڈیا کا طریقۂ واردات ہے اور اسی کو میڈیا وار بھی کہا جاتا ہے۔

چنانچہ آج مسلمانوں کو اِس معاملے میں بڑا محتاط ہونا چاہیے کہ اُنھیں جو خبریں پہنچ رہی ہیں اُن کا منبع (source) کیا ہے۔ مغربی میڈیا بلکہ ہر سیکولر ملک (بشمول پاکستان) کا نیوز میڈیا دیگر معلامات میں تو شاید سچا اور غیر جانبدار ہوسکتا ہے لیکن اسلام کے معاملے میں اچانک نہایت جھوٹا اور مکار بن جاتا ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے الفاظ میں:

''یاد رکھیں کہ یورپ چاہے کتنا سیکولر ہو جائے لیکن اسلام کے خلاف وہ خالص مسیحی بن جاتا ہے۔'' (بحوالہ: مسلمان ممالک میں اسلامیت اور مغرب کی کشمکش)

دجال سے پہلے دنیا کی حالت

احادیث کے مطالعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دجال کا دجل اور فریب ہمہ جہت (Multidimensional) ہوگا۔ جھوٹ، فریب، افواہیں اور پروپیگنڈہ اتنا زیادہ ہوگا کہ بڑے بڑے لوگ اُس کے بارے میں شک وشبہ میں پڑ جائیں گے کہ کیا یہ ہمارا مسیحا ہے یا دجال؟ عام طور پر مسلم عوام کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ دجال صرف اپنے مکروہ چہرے کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائے گا۔ اگر معاملہ اتنا سادہ ہوتا تو پھر متعدد احادیث میں دجال کے فتنے سے مسلمانوں کو ڈرانے کی کیا ضرورت تھی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں یہاں تک فرما دیا کہ:

مَا بَيْنَ خَلَقِ آدَمَ اِلىٰ قِيَامِ السَّاعَةِ اَمْرٌ اَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ (صحیح مسلم)

''حضرت آدمؑ کی پیدائش سے لے کر قیامت تک دجال کے ظہور سے زیادہ بڑا کوئی واقعہ نہیں۔''

واقعہ یہ ہے کہ دجال اور دجالی دور کا فتنہ ہوگا ہی بہت خطرناک۔ اُس کے مکروہ چہرے کے باوجود اُس کے کارنامے دجالی میڈیا کی مدد سے دنیا کے سامنے اِس طرح پیش کئے جائیں گے کہ لوگ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اگر یہ وہی دجال ہوتا تو ایسے اچھے کام نہ کرتا۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید وضاحت فرمائی:

''دجال کے خروج سے پہلے چند سال دھوکہ وفریب کے ہوں گے۔ سچے کو جھوٹا بنایا جائے گا اور جھوٹے کو سچا بنایا جائے گا۔ خیانت کرنے والے کو امانتدار بنا دیا جائے گا اور امانت دار کو خیانت کرنے والا قرار دیا جائے گا اور اُن میں ''رو بیضہ'' گفتگو کریں گے۔ پوچھا گیا رو بیضہ کون لوگ ہیں؟ یہ گھٹیا (یعنی فاسق وفاجر) لوگ ہوں گے۔ یہ لوگوں کے اہم معاملات میں رائے زنی کریں گے۔''

[مسند احمد (1223) مسند ابو یعلی' (3715)۔ السنن الواردة في الفتن. اِس حدیث کی سند ''حسن'' ہے۔]

ہمارے دور پر یہ حدیث کتنی صادق آتی ہے۔ نام نہاد ''مہذب دنیا'' کا بیان کردہ جھوٹ جس کو پڑھے لکھے لوگ بھی سچ مان جاتے ہیں، اگر اِس جھوٹ پر کتابیں لکھی جائیں تو شاید لکھنے والوں کی لکھتے لکھتے پوری زندگی ختم ہو جائے، لیکن اُن کے بیان کردہ جھوٹ کی فہرست ختم نہ ہو۔ ہمارے سامنے سب سے بڑی مثال کفار کی دجالی افواج کا عراق پر یہ کہہ کر حملہ کرنا کہ یہاں تباہی پھیلانے والے ہتھیار موجود ہیں لیکن اُن کا کوئی

وجود نہ تھا۔ آج میڈیا پر اُمتِ مسلمہ کے محسنوں کو انسانیت کا سب سے بڑا دشمن بنا کر دکھایا جاتا ہے۔ کتنے ہی سچ ایسے ہیں جن کے اوپر مغرب کے ''انصاف پسند'' میڈیا نے اپنی لفاظی اور جھوٹ کی اتنی موٹی تہیں جما دی ہیں کہ عام انسان اگر ساری عمر بھی اُس کو صاف کرنے میں لگا دے تو صاف نہیں کرسکتا۔

دجال کے آنے سے پہلے لوگوں میں اُس کے ذکر سے غفلت

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام ؓ کے سامنے دجال کے فتنے کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے تو صحابہ کرام ؓ کے چہروں پر خوف کے اثرات نمودار ہو جایا کرتے تھے۔ ایک صحابیِ رسول حضرت نواس ؓ بن سمعان، صحابہ کرام ؓ کی اِس کیفیت کا احوال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''گویا ہم کو ایسا گمان ہوتا کہ دجال (یہیں قریبی کسی) کھجوروں کے باغ میں موجود ہو۔''
(صحیح مسلم)

فتنہ دجال میں وہ کون سی چیز تھی جس نے صحابہ کرام ؓ کو ڈرا دیا تھا؟ کیا یہ کسی خوف ناک جنگ کا خوف تھا یا موت کا خوف تھا؟ نہیں، ہم بخوبی جانتے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ اِن چیزوں سے ڈرنے والے نہیں تھے۔ صحابہ کرام ؓ جس چیز سے ڈرے وہ دجال کا فریب اور دھوکہ تھا، کہ وہ وقت اتنا خطرناک ہوگا کہ صورتحال سمجھ نہیں آئے گی، گمراہ کرنے والے مفکرین، ماہرین اور قائدین کی بہتات ہو جائیگی۔ پھر پروپگینڈے کا یہ عالم ہوگا کہ لمحوں میں سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا کر دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیا جائے گا۔ میڈیا کی بے پناہ طاقت کی بدولت انسانیت کے دشمنوں کو نجات دہندہ ثابت کیا جائے گا اور انسانیت کے حقیقی نجات دہندوں اور محسنوں کو دہشت گرد ثابت کیا جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ دجال کو کھول کھول کر بیان فرمایا۔

اُس کا حلیہ، ناک نقشہ اور ظاہر ہونے کا مقام تک بیان فرمادیا، دجالی دور کے فتنوں کا ذکر بھی کھول کر بیان فرمادیا۔لیکن افسوس ہے اُمتِ مسلمہ کی اِس غفلت پر کہ عوام تو عوام، خواص (یعنی اہل علم) نے بھی اِس فتنے کا تذکرہ بالکل ہی چھوڑ دیا ہے۔جب اُس کا تذکرہ منبر ومحراب سے نکل جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اب اُس کے خروج کا وقت قریب ہے۔ایک حدیث کے مطابق دجال جو اس دنیا میں شیطنت کا سب سے بڑا مادی ظہور (Material Manifestation) ہوگا وہ اُس دور میں ظاہر ہوگا جب لوگ اس کے متعلق سب سے زیادہ غافل ہوں گے۔ حضرت صعب بن جثامہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

لایخرج الدجال حتٰی یذھل الناس عن ذکرہ ، و حتٰی تترک الائمة ذکرہ علی المنابر (مسند احمد، ج4،صفحہ 71) (1)

"دجال اُس وقت ظاہر ہوگا جب لوگ اُس سے غافل نہ ہو جائیں گے اور جب مسجدوں کے امام اور علماء منبر پر اُس کا ذکر کرنا چھوڑ دیں گے۔"

1)حافظ ابن حجر نے اِس حدیث کو تہذیب التہذیب میں ابن السکن کی سند سے روایت کیا ہے اور ابن السکن کی یہ رائے لکھی ہے: "ھذا حدیث صالح الاسناد" (اِس حدیث کے راویوں کی کڑی بالکل صحیح ہے۔) امام الزرقانی نے بھی شرح مؤطا امام مالک میں اِس حدیث کی سند کو راشد بن سعد کے حوالے سے صالح الاسناد کہا ہے۔

اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں یہ بات واضح طور پر بیان فرمادی ہے کہ تم اُس دجال کو بھول نہ جاؤ بلکہ اُس کو سمجھو، اُس کے فتنے کے بارے میں غوروفکر کرو اور اُس کے دجل سے دوسروں کو خبردار کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں یہ بھی فرمایا:

''میں اُس کو (یعنی دجال کے فتنے کو) اس لئے بار بار بیان کرتا ہوں کہ تم اُس میں غور کرو، سمجھو اور باخبر رہو اور اُس پر عمل کرو اور اُس کو ان لوگوں سے بیان کرو جو تمہارے بعد ہیں لہٰذا ہر ایک دوسرے سے بیان کرے اِس لئے کہ اُس کا فتنہ سخت ترین ہے'' (الفتن :نعیم بن حماد)

اِن احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ دجال کی آمد کا انکار اِس بات کی نشانی ہوگی کہ وہ عنقریب ظاہر ہو جائیگا۔ عظیم محدث ابنِ حجر عسقلانیؒ صحیح بخاری کی شرح ''فتح الباری'' میں اِس ضمن میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں جنھوں نے فرمایا:

''ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے خطبہ دیا اور یہ بیان فرمایا کہ اِس امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو رجم (سنگسار کی سزا) کا انکار کریں گے، عذاب قبر کا انکار کریں گے، دجال کی آمد کا انکار کریں گے، شفاعت کا انکار کریں گے اور اُن لوگوں (یعنی گنہگار مسلمانوں) کے جہنم سے نکالے جانے کا انکار کریں گے''۔

(فتح الباری: جلد 11، صفحہ426)

بے شک دجال کا خروج ہوگا اور اُس کے شخصیت، حلیہ اور فتنے کے متعلق صحیح احادیث میں بیان تفصیلی بیان ہوا ہے۔البتہ دجال سے پہلے یہود، ہندو اور نیٹو کی دجالی صلیبی افواج اُس کے لئے بڑی تیزی سے اسٹیج تیار کررہی ہیں۔ اس سلسلے میں علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ اپنی کتاب ''دجالی فتنہ کے نمایاں خط وخال'' (صفحہ 25) میں تحریر فرماتے ہیں:

''اتنی بات واضح ہے کہ مغرب کا جدید تمدن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''المسیح الدجال'' کے خروج کی تیاریاں کررہا ہے کیونکہ اپنی اقتداری قوتوں سے وہی کام یورپ کی اس نشاۃ ثانیہ میں بھی لیا جارہا ہے جس ''المسیح

الـدجال'' میں اپنی اقتداری قوتوں کو استعمال کرے گا....صاف اور جچی تلی بات یہی ہے کہ المسیح الدجال کے خروج کا دعویٰ ابھی قبل از وقت ہے مگر ''المسیح الدجال'' جس فتنے میں مبتلا کرے گا اُس فتنے کے ظہور کی ابتداء کسی نہ کسی رنگ میں مان لینا چاہیے کہ ہو چکی ہے۔''

دجال کے ساتھ پانی اور آگ

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

فِی الدَّجَّالِ اِنَّ مَعَهُ مَاءً وَنَارًا فَنَارُهُ مَاءٌ بَارِدٌ وَمَائُهُ نَارٌ.

(صحیح البخاری، صحیح مسلم، مسند احمد)

''دجال کے ساتھ پانی اور آگ ہوگا، اُس کی آگ ٹھنڈا پانی ہوگا اور اُس کا پانی حقیقت میں آگ ہوگا۔''

بعض روایات میں پانی کی جگہ باغ (جنت) کا ذکر ہے۔(مثلاً ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعة: باب ذکر الدجال وصفته وما معه۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب فتنة الدجال)

احادیثِ دجال کے مجموعی ذخیرے پر نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ''ہمراہ ہونے'' سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے ملنے والے افراد میں سے جو اُس کے ہم خیال ہوں گے اور جو دجالی فوجوں اور دجالی کلچر کی حمایت کریں گے اُنھیں ٹھنڈے پانی اور باغ جیسے انعامات دے گا۔ ہوسکتا ہے کہ دجال کے وہ انعامات ڈالروں کی صورت میں ہوں یا پھر روپوں کی تھدی کی صورت میں ہوں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ غیر ملکی امداد کی شکل میں ہوں یا آئی ایم ایف (IMF) کے قرضوں کی صورت میں یا مسلم لیڈروں کے سویٹزرلینڈ کے بنکوں کے ذاتی اکاؤنٹس میں پیسہ ٹرانسفر کردینے کی شکل میں ہوں۔

اِس کے برعکس وہ مومنین جو دجال اور اُس کے نظام سے اختلاف کریں گے اور اُس کے خلاف جہاد کریں گے، اُن مومن لوگوں پر دجال ''دہشت گردوں سے تعلق'' کا الزام لگا کر اُن کو آگ کی سزا دے گا (مثلاً ڈرون کے ذریعے آگ کے میزائیل (Hellfire Missles) برسا کر)۔ چونکہ دجال کی سزا اور خوشی دونوں کا مدار پانی اور آگ پر ہوگا اِس لیے اُس کا خصوصی اشارہ احادیث میں دیا گیا ہے۔

مرید برآں، حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ وصیت فرمائی ہے کہ بظاہر نظر آنے والی دجال کی سزا حقیقت میں مومنین کے لیے رحمت الٰہی ہوگی....(**فنارهٔ ماءٌ باردٌ**) ''اُس کی آگ دراصل ٹھنڈا پانی ہوگا''۔ اِس لئے سچے مومنوں کو چاہئے کہ وہ دجال کے پانی کی بجائے اُس کی آگ میں کود جانا گوارا کرلیں کیونکہ وہ آگ، ٹھنڈے پانی کی تاثیر رکھے گی یعنی وہ آگ اُس مومن کو شہادت کا رُتبہ عطا کرکے اور اُس مومن کو اِس غلیظ دنیا کے فتنوں سے نجات دلا کر سیدھا جنت الفردوس میں پہنچا دیگی اور یہ بات تو شاید مسلمانوں کا بچہ بچہ اچھی طرح جانتا ہے کہ شہید کو مرتے ہوئے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اور شہادت کی موت کی اِس آسانی کی خبر ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، جن سے زیادہ سچا اور کوئی نہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

مَا يَجِدُ الشَّهِيْدُ مِنْ مَسِّ الْقَتْلِ، اِلَّا كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ مِنْ مَسِّ الْقَرْصَةِ (ترمذی، کتاب الجمعہ، ابواب السفر۔ صحیح ابن حبان) (1)

''راہِ خدا میں شہید ہونے والا قتل کیے جانے کے وقت بس اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی تکلیف تم میں سے کوئی آدمی، چیونٹی کے کاٹ لینے کی محسوس کرتا ہے۔''

[1)ابوھریرہؓ کی روایت کردہ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔امام بغویؒ نے معالم التنزیل میں اور امام دارمیؒ نے سنن دارمی میں اس حدیث کو الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ روایت کیا ہے۔]

پھر حدیث میں ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے: (وَمَـــاءٌ نَـــارٌ) ''اور دجال کا پانی دراصل آگ ہوگا''یعنی جو لوگ دجال کی ہیبت سے ڈر کر یا دنیاوی فائدوں کے حصول کی خاطر اُس پانی (باغ) کو قبول کریں گے وہ درحقیقت اپنے لئے آتشِ جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں کا انتخاب کریں گے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

مَعَهُ نَهْرَانِ يَجْرِيَانِ اَحَدُهُمَا رَاْىَ الْعَيْنِ مَاءٌ اَبْيَضُ وَالْآخَرُ رَاْىَ الْعَيْنِ نَارٌ تَاَجَّجُ، فَاِمَّا اَدْرَكَنَّ اَحَدٌ فَلْيَاْتِ النَّهْرَ الَّذِى يَرَاهُ نَارًا وَلْيُغَمِّضْ، ثُمَّ لِيُطَاْطِئْ رَاْسَهُ فَيَشْرَبَ مِنْهُ، فَاِنَّهُ مَاءٌ بَارِدٌ. (صحيح مسلم كتاب الفتن واشراط الساعة باب)

''دجال کے ساتھ دو بہتی نہریں ہوں گی، اُن میں سے ایک نہر بظاہر آنکھوں سے دیکھنے پر سفید پانی اور دوسری بھڑکتی ہوئی آگ نظر آئے گی۔ اگر کوئی اُسے پائے تو اُس نہر کی طرف جائے جسے وہ آگ دیکھ رہا ہو اور آنکھیں بند کر کے پھر اپنے سر کو جھکا کر اُس نہر سے پینا شروع کر دے کیونکہ وہ اصل میں ٹھنڈا پانی ہوگا۔''

دجال کے متعلق بیان کی گئی احادیث کا گہرا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دجال ایک فرد ہوگا جس کے ظہور سے قبل اُس کا نظام بھی اِس دنیا میں ظاہر ہوگا۔ گویا دجال فرد بھی ہے اور نظام بھی۔ احادیث میں دجال کی جو صفات و علامات مذکور ہیں وہی اُس کے نظام

کے بھی خاص عناصر ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روشنی میں ہم دجالی نظام کو پہچاننا چاہیں تو بڑی آسانی سے پہچان سکتے ہیں۔

احادیثِ نبوی میں آخری دور کی نشانیوں کے حوالے سے ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''دجال ایک ہاتھ سے روٹیاں پھینکے گا اور دوسرے ہاتھ سے آگ۔'' اور دوسری حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے کہ ''دجال کے ساتھ آگ ہوگی جس کو وہ دوزخ کہے گا اور ایک باغ ہوگا جس کا نام وہ بہشت رکھے گا۔ دراصل اُس کی دوزخ جنت کی تاثیر رکھتی ہوگی اور اُس کی جنت حقیقت میں دوزخ کے اثر والی ہوگی۔'' آج جب ہم پاکستان میں کیری لوگر بل کی شکل میں روٹیاں یا افغانستان اور عراق میں امریکی امداد کی صورت میں روٹیاں دیکھتے ہیں اور دوسری جانب ڈرون حملوں یا صلیبی افوج کے فضائی حملوں کی شکل میں آگ دیکھتے ہیں تو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی پیشین گوئیاں مجسم صورت میں نظر آنے لگتی ہیں۔

امریکہ کے چوٹی کے مفکر ولیم بلم (William Blum) نے اپنی کتاب Rogue State: A Guide to the World's Only Superpower میں امریکہ کے اسی عمل پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

> ''امریکہ بہادر کے کردار کا ایک اور پہلو ملاحظہ فرمایئے۔ اُنہوں نے افغانیوں کو موت اور کھانا ایک ساتھ پیش کیا۔آسمان پر اُڑنے والے امریکی جنگی جہاز جہاں ایک طرف بم گرا رہے تھے تو وہیں اُس کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کے ڈبے بھی گرائے جا رہے تھے۔کیا امریکہ سمجھتا ہے کہ اِس طرح اُس کی عزت بن گئی۔اُس کی رحم دلی پر واہ واہ ہونے لگی۔اگر اس طرح عزت ملتی ہو یا نفرت ہوتی ہو تو پھر یقیناً امریکی لوگ جاپانیوں کی بہت عزت کرتے ہوں گے کیونکہ جاپان نے بھی تو پرل ہاربر پر بمباری

کے ساتھ ساتھ خوراک کے خوبصورت ڈبے پھینکے تھے۔ امریکہ کے خیال میں اگر اِس طرح دل جیتے جاسکتے ہیں تو پھر ورلڈ ٹریڈ سینٹر تباہ کرنے والے دہشت گردوں سے ایک غلطی ہوگئی۔ اُنہیں چاہیے تھا کہ جہاز ٹکرانے سے پہلے ''مین ہیٹن'' پر کچھ گرما گرم سینڈوچز یا برگرز وغیرہ گرادیتے تو.........''

(بدمعاش امریکہ، مصنف ولیم بلم، اردو ترجمہ سید ناصر علی، مطبوعہ صبیح پبلشرز، لاہور، جنوری 2003ء)

یہی دجالی عمل اب لیبیا، یمن اور مالی میں دُھرایا جارہا ہے کہ ایک طرف عوام کی مدد کے لئے وہاں خوراک اور دیگر امدادی اشیاء گرائی جارہی ہیں تو دوسری جانب اللہ کے کلمے کو بلند کرنے والے مجاہدین پر مغربی صلیبی ممالک کی اتحادی افواج آسمان سے آگ برسارہی ہیں۔ افغانستان پر حملہ کرتے ہی صحیح معنوں میں امریکہ نے روٹیوں (bread) کے پیکٹ اپنے جہازوں سے پھینکے تھے اور دوسری طرف اپنے ڈیزی کٹر بم اور لیزر گائیڈڈ میزائل اِتنی کثرت سے برسائے تھے کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آسمان آگ برسارہا ہے اور زمین آتش فشاں کا لاوا اُگل رہی ہے۔

یہی نہیں بلکہ دجالی افواج نے بعض اوقات اپنے ہتھیاروں کے نام بھی وہی رکھے جن کی احادیث مبارکہ میں پیشین گوئیاں کی گئی ہیں۔ مثلاً ہیل فائر مسلز (دوزخ کی آگ والے میزائل) (Hellfire Air-to-Surface Missiles)۔ امریکہ نے اپنے ہیل فائر ہتھیاروں کے سسٹم کے ذریعے عراق اور افغانستان پر آگ برسائی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ عالم اسلام کی مشہور شخصیات جن پر ''القاعدہ'' کا مستقل لیبل لگادیا جاتا ہے اُن کو قتل کرنے کے لیے بھی اکثر اِسی دجالی ہتھیار کا سسٹم یعنی ہیل فائر میزائل کو ڈرون طیاروں کے ذریعے استعمال کیا جارہا ہے بلکہ بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جارہا ہے۔ حماس کے راہنما احمد

یاسین کو 2004ء میں اسرائیلی ایئر فورس نے اسی ہیل فائر میزائل سے شہید کیا تھا۔ الیاس کاشمیری، احسن عزیز، بیت اللہ محسود، حکیم اللہ محسود، شیخ انور العولقی، شیخ ابو یحیٰی اَللِّبِی وغیرہ سب کو ''ایک آنکھ والا کیمرہ'' لگے ہوئے ڈرون طیارے سے ہیل فائر میزائل کی آگ برسا کر ہی جلایا گیا کیونکہ دجال کے ایک ہاتھ میں آگ ہوگی جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔ بیشک اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ سچا ہے اور دجال کے دعوے اور دھمکیاں جھوٹی ہیں۔ دجال، مومنین کو قتل کرنے سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا۔ یہاں پر ہمیں عصرِ حاضر کے ایک ولی اللہ کا خواب یاد آ جاتا ہے کہ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن ولی اللہ سے فرمایا:

''کیا تم جانتے ہو کہ موجودہ زمانے کا بہترین شہید کون ہے؟ اِس دور کا بہترین شہید وہ ہے جو ڈرون حملے میں شہید ہوا ہے۔''

اِس خواب کو درج ذیل روایات سے مزید تقویت ملتی ہے:

عن عبداللہ بن عمرو قال افضل الشهداء عند اللہ تعالیٰ شهداء البحر و شهداء اعماق انطاكيه و شهداء الدجال۔

''حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ اُنہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل شہداء بحری جہاد کے شہداء اور اعماق انطاکیہ کے شہداء اور دجال کے خلاف لڑتے ہوئے مارے جانے والے شہداء ہیں۔''

(الفتن نعیم بن حماد ، ج: 2 ص: 493 و اسنادهٗ کلام)

''جو لوگ دجال کے یا اُس کے لوگوں کے ہاتھوں شہید ہوں گے اُن کی قبریں تاریک اور گھٹا ٹوپ راتوں میں چمک رہی ہوں گی۔''

(الفتن نعیم بن حماد)

دجال کا جاسوس ''جسّاسہ''

صحابیِ رسولؐ حضرت تمیم داریؓ کی صحیح مسلم میں بیان کی گئی حدیث میں اُنھوں نے بتایا تھا کہ جب اُن کی ملاقات دجال سے ہوئی (جو ابھی کسی جزیرے میں بند ہے اور اُس کے باہر نکلنے کا حکم نہیں آیا) تو وہاں پر دجال کا جاسوس بھی موجود تھا جس کا نام "جسّاسہ" تھا۔ جس طرح دجال کو اُس وقت جزیرے پر آنے والوں کی خبریں لانے کے لئے اپنے جاسوس "جسّاسہ" کی ضرورت تھی اور مستقبل میں بھی اپنی حکومت قائم رکھنے کے لئے ضرورت ہوگی، بالکل اسی طرح آج کے دجالی نظام کو کام کرنے کے لئے "جسّاسہ" یعنی جاسوسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر ایک آنکھ والے الیکٹرانک میڈیا کی صورت میں (یعنی ٹی وی، کمپیوٹر، فیس بک، چیٹنگ، آن لائن ڈیٹنگ، کمپیوٹر کے کیمرے کے ذریعے ویڈیو چیٹ وغیرہ) یہ دجالی جاسوس "جسّاسہ" ہماری قوم کے لڑکوں، لڑکیوں کے اخلاق کو تباہ کر رہے ہیں۔ اِسی طرح اب صلیبی افواج، مسلمان ممالک کی فضاؤں میں ایک آنکھ والے جاسوسی غبارے (eye-in-the-sky surveillance balloons) نصب کر دیتی ہیں تا کہ اُن جاسوسی غباروں میں نصب ہوئے نہایت طاقتور ''ایک آنکھ والے'' کیمروں کے ذریعے مسلمانوں کی نقل و حرکت پر دجال کی طرح نظر رکھی جا سکے۔ اسی طرح ڈرون طیارے بھی اپنے ''ایک آنکھ والے کیمرے'' کی مدد سے مسلمانوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔

آج کے دجالی نظام کے ایک ہاتھ میں آگ (ڈرون میزائیل) ہے تو دوسرے ہاتھ میں پانی اور باغ (یعنی غیر ملکی امداد) ہے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ یہاں بھی ''کیمرے کی ایک آنکھ والا ڈرون طیارہ'' مومنوں پر آگ تب ہی برسا سکتا ہے جب اُسے دجالی جاسوسوں (جسّاسوں) کے ذریعے معلومات ملتی ہیں ورگرنہ ڈرون میں نصب کیمرے کی ''ایک آنکھ'' بڑی ہی ظاہر بین ہوتی ہے اور معاملات کو گہرائی میں نہیں دیکھ سکتی۔ یہ صفت اُس ڈرون میں نصب کیمرے کی ''ایک آنکھ'' نے اپنے آقا دجال سے لی ہے کیونکہ حدیث مبارک

میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ دجال کی ایک آنکھ ہوگی۔

ڈرون طیاروں کے مسلمانوں پر آگ برسانے سے متعلق ''ملحمہ بلاگ'' پر ایک دردمند مسلم بھائی نے بہت خوبصورت تشریح کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ امریکی ڈرون حملہ محض امریکی نہیں ہوتا؟ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ڈرون مجاہدین کی شکلیں دیکھ دیکھ کر میزائل مارتا ہے، کیا اُسے رات کو بھی شکلیں نظر آتی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو جب یہ کسی مجاہد کو میزائل مارتا ہے جو اُس کی نظر میں ہائی ویلیو ٹارگٹ (High Value Target) ہوتو وہ مجاہد بچ کیسے جاتا ہے اور اُس کی بجائے دیگر کئی لوگ شہید کیوں ہو جاتے ہیں؟ چند ایسے اہم اوامر ہیں کہ جو ڈرون کے حملے سے پہلے وقوع پذیر ہوتے ہیں ...... جن کے بغیر امریکی ڈرون حملہ ہو نہیں سکتا۔

ٹارگٹ اور جگہ کا تعین ہماری قوم کا کوئی فرد کرتا ہے۔امریکیوں کے پاس تو وزیرستان میں جاسوسی کا کوئی نیٹ ورک نہیں۔نہ اُن کے لیے ایسا نیٹ ورک بنانا ممکن ہے کیوں کہ ایسے نیٹ ورک کا کوئی فرد وزیرستان میں بآسانی نظروں میں آسکتا ہے۔ نہ امریکیوں کو اس کی کوئی ضرورت ہے کیونکہ میر جعفر و میر صادق محض ماضی کے قصے نہیں ہیں، انگریز کے ساتھ جنگ میں آج بھی یہ کردار روزانہ پیدا ہوتے ہیں۔ ٹارگٹ مجاہد جس جگہ موجود ہو اُس جگہ پر ایک الیکٹرانک چپ یا SIM نصب کروائی جاتی ہے جس الیکٹرانک سم SIM کو ڈرون خاص شعاؤں کی مدد سے واضح طور پر دیکھتا ہے۔ پاکستانی قوم کا کوئی سفاک قاتل اور اعلیٰ عہدیدار اپنے امریکی آقا سے وصول ہونے والی ڈالروں کی تھدی کو زمینی جاسوسوں میں تقسیم کرتا ہے، اُن جاسوسوں (جسّاسوں) کو ٹارگٹ مجاہدین کی تصاویر دکھاتا ہے، نام و دیگر معلومات بتاتا ہے، پھر الیکٹرانک سم SIM اُسے دے کر روانہ کرتا ہے۔ زمینی جاسوس [جسّاسہ] اُس مجاہد کی جاسوسی کر کے اُس کے گھر کے قریب یا اُس کی گاڑی میں یہ الیکٹرانک سم SIM نصب کرتا ہے۔ جس جگہ پر الیکٹرانک سم لگائی جاتی ہے اُس جگہ کی چند گھنٹے اور بعض اوقات ایک دو دن تک ڈرون سے خصوصی نگرانی کی جاتی

ہے۔ پھر جب یہ منافق زمینی جاسوس اپنے آقا کو اور پھر وہ اپنے امریکی آقا کو
درست ٹارگٹ پر الیکٹرانک سم SIM نصب ہوجانے کی اطلاع دیتا ہے
تو مناسب موقع پاتے ہی ہدف کونشانہ بنایا جاتا ہے۔''

بحوالہ: ''اجنبی کل اورآج ......'' Friday, Aug 31, 2012

http://malhamaah.blogspot.com/2012/08/blog-post_31.html

مسلمان ممالک میں بسنے والے منافقین کا کفار سے گٹھ جوڑ

جب کفار، مسلم ممالک پر حملہ آور ہوتے ہیں تو وہ کبھی مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اگر اُنھیں وہاں کے مقامی منافق مسلمانوں کا تعاون حاصل نہ ہو۔ مسلمان ممالک کے رہائشی منافقین ایک تو وہاں کی زبان سے واقف ہوتے ہیں اور دوسرے، وہ مسلمان ملک کے میدانی اور پہاڑی راستوں سے واقف ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ مسلمان ملک جس پر کافر ملک نے حملہ کیا ہوا ہوتا ہے، وہاں کے مقامی منافق مسلمان غیر مسلموں کو وہاں کے تمام راستوں کی خبر دیتے ہیں اور سچے مسلمانوں کی جاسوسی بھی کرتے ہیں۔ اسی لیے منافقین کا وجود مسلم اُمت کے لیے کفار کے وجود سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ منافقین ہمیشہ مسلمانوں کی کمر میں پیچھے سے خنجر گھونپتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ (سورہ التحریم: 9)

''اے نبیؐ! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور اُن کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔
اُن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔''

اِس آیت کی تفسیر میں علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ جب کفار (مثلاً صلیبی افواج) کسی مسلمان ملک پر حملہ کردیں تو اگر کوئی مسلمان اُن کفار کو کسی قسم کی مدد دیگا مثلاً مالی مدد، جسمانی مدد، ترجمہ

کرنے کی خدمات، وہاں بسنے والے مسلمانوں کی جاسوسی، کفار کے لیے انٹیلی جنس کرنا، اُن کی فوج میں کسی قسم کی جاب کرنا حتیٰ کہ آفس کی نوکری کرنا، یہ سب چیزیں اُس مسلمان کو مُرتد اور کافر (بلکہ Five-Star kaafir) بنا دیتی ہیں۔ نہ ایسے مسلمان کی وراثت اُس کے بچوں کو ملے گی اور نہ ہی مرنے کی صورت میں ایسے مسلمان کی نماز جنازہ پڑھی جائیگی کیونکہ وہ مسلمان رہا ہی نہیں، وہ تو مرتد ہوگیا تھا۔ جب کوئی مسلمان، کافروں کے لیے اپنے مسلمان بھائیوں کی جاسوسی کرتا ہے یا عدالت میں اُن مسلمانوں کے خلاف گواہ بنتا ہے (چاہے وہ پیسے لینے کے لیے ایسا کر رہا ہو) تو وہ شخص اپنے مذہب کی قربانی دے کر ایسا کرتا ہے اور یہ بڑا ہی گھاٹے کا سودا ہے۔ اِس بات پر علماء کا اجماع ہے کیونکہ قرآن کا فیصلہ اٹل ہے جو سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے:

يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـوْا لا تَتَّخِذُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ أَوْلِيَاء . بَـعْـضُـهُـمْ أَوْلِيَآ ءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ . إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ ٥ (سورۃ المائدہ)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ، یہ آپس ہی میں ایک دُوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی اُن کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اُس کا شمار بھی پھر اُنہی میں ہے۔ یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے مُحروم کر دیتا ہے۔''

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ''ارے بھئی! یہ کلمہ طیبہ پڑھنے والے ہمارے مسلمان بھائی ہیں، ہم اِنھیں کیسے منافق کہہ سکتے ہیں؟'' آپ ایسے اعتراض کرنے والے کم علم مسلمانوں سے پوچھیں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ کا منافق اعظم عبداللہ بن اُبی بن سلول کلمہ طیبہ نہیں پڑھتا تھا؟ کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں اور خاص طور پر نمازِ

جمعہ نہیں پڑھتا تھا؟ پھر بھی جب وہ مرگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی نمازِ جنازہ پڑھائی تو اللہ تعالیٰ نے سورہ التوبہ کی آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستقبل میں منافقین کی نمازِ جنازہ میں شرکت سے منع کردیا۔ آخر کیوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمۃ للعالمین تھے لیکن پھر بھی آپ کو یہ حکم ہوا۔ اس لئے کہ ہر منافق، کافر ہوتا ہے اور ہر کافر، منافق ہوتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسلم معاشرے کو منافقین سے خطرہ تھا اور یہ خطرہ آج بھی موجود ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق مسلمانوں کا مقابلہ اُن کے جھوٹے پروپیگنڈے کی اصلیت کو کھول کر کیا۔ جس طرح کفار سے جنگ تلواروں سے لڑی جاتی ہے، منافقین سے مقابلہ عام طور پر زبان سے جہاد اور قلم سے جہاد کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ چونکہ مسلمانوں میں سے منافقین (مثلاً روشن خیال مفکرین یا ماڈرنسٹ یا درباری علماء) مذہب کو ڈھال بنا کر اپنے زہریلے نظریات کو مسلمانوں میں عام کرتے ہیں، اس لئے اُن سے مقابلہ کرنے کا بہترین ہتھیار قرآن اور حدیث ہیں۔ قرآن، صحیح احادیث، آثارِ صحابہ اور ہمارے ماضی کے کلاسیکل اسلامی علماء کے اقوال کے سامنے یہ منافقین اُسی طرح پگھل جاتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰؑ کو دیکھ کر دجال نمک کی طرح پگھل جائے گا۔

منافقین کا مسلمانوں کی صفوں میں سرایت کر جانا

کسی بھی اسلامی انقلاب کو اس بارے میں خاص طور پر ہوشیار رہنا چاہیے کہ وہ صرف لوگوں کی نفری بڑھانے کی فکر میں نہ لگے رہیں کیونکہ جب بھی کسی مسلمان ملک میں اسلامی تحریکوں کے کارکن اسلامی شریعت کے نفاذ کے لئے عملی جدوجہد شروع کرتے ہیں تو کفر کے کان فوراً کھڑے ہوجاتے ہیں۔ الجزائر کی مثال ہی لے لیں کہ جب وہاں پر اسلامی پارٹی (FIS) نے الیکشن میں واضح کامیابی حاصل کرلی تو مغربی طاقتوں کے اشارے پر الجزائر کی فوج نے ملک پر قبضہ کرلیا۔ اُس کے نتیجے میں عوام نے حکومت کے خلاف جہاد شروع کردیا۔

اُس دور میں مغربی طاقتوں اور الجزائر کے سیکولرسٹوں نے قاتلوں اور زانیوں کو بھیجا کہ وہ مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو جائیں۔ اُن منافقوں اور ڈاڑھی والے غنڈوں نے الجزائر کے کئی دیہاتوں میں مجاہدین کے روپ میں جا کر عورتوں کی عزتیں لوٹیں، وہ چھوٹے بچوں کو کھڑکیوں سے اُٹھا کر باہر پھینکتے تھے اور وہاں کی عوامی آبادی کو چیخ کر بتاتے تھے کہ ہم الجزائر کے مجاہدین ہیں۔ایک مرتبہ ایک الجزائر کی مسلم خاتون نے بتایا کہ ایک شخص جس نے مجاہدین کا لباس پہنا ہوا تھا اور اُس کی بڑی داڑھی تھی جب وہ شخص اس عورت کی عصمت دری کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو اُس عورت نے اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے اُس شخص کے منہ پر زور سے ہاتھ مارا تو اُس شخص کے منہ پر سے نقلی داڑھی اتر گئی اور اُس شخص نے اللہ کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اِس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جو الجزائر میں پیش آئے جن میں زانیوں، قاتلوں اور غنڈوں نے مجاہدین کا روپ دھار کر الجزائر کی عوام کا قتل عام کیا جس کی وجہ سے الجزائر میں اسلامی تحریک کو شدید دھچکا لگا اور اسلامی حکومت کی جدو جہد کرنے والوں پر سے عوام کا اعتماد اُٹھ گیا۔ چنانچہ الجزائر کی سیکولر فوج اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی۔ یہ سب کچھ منافقین کے مومنوں کی صفوں میں گھسنے کی وجہ سے ہوا۔آج پاکستان میں بھی آئے دن دہشت گردی کرنے والوں کی لاشیں اگر سلامت مل جائیں تو بظاہر انھوں نے داڑھیاں رکھی ہوتی ہیں لیکن اُن کے کپڑے اتار کر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اُن کے ختنے نہیں ہوئے ہوتے یعنی وہ ہندو یا سکھ ہوتے ہیں جو کسی ''مولوی'' یا ''طالبان'' کے روپ میں دہشت گردی کی واردات کرنے آئے ہوتے ہیں۔یہ ایک حقیقت ہے، چاہے ہماری'' انڈیا سے شدید محبت کرنے والی حکومتیں'' اِس بات کو کتنا ہی چھپائیں۔

ہاں البتہ بھرے بازاروں میں جو لوگ دہشت گردی کی وارداتیں کر کے بے گناہ مسلمان شہریوں اور معصوم بچوں کو قتل کر دیتے ہیں، اگر ایسی وارداتیں کرنے والے واقعی مسلمان ہیں تو اُنھیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن کا حکم بالکل واضح ہے اور قرآن ہر ایسے شخص کے لیے ''ہمیشہ کی جہنم'' کی سزا تجویز کر رہا ہے اور قرآن ہی ہم سب کے لیے آخری

حکم (Ultimate Authority) ہے:

وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَاباً عَظِيْماً o (سورہ النساء:93)

''جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اُس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اُس پر اللہ کا غضب اور اُس کی لعنت ہے اور اللہ نے اُس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔''

اِس کے ساتھ ساتھ ہمارے دور کے مسلمانوں کے لئے ایک خوشخبری بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اب کفر و اسلام کے لشکروں میں تمیز کا انتظام بھی فرما دیا ہے۔ اسلام اور کفار اقوام کے اِس عالمگیر معرکے میں اِس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے کفر و اسلام کی صفیں جدا کرنے کے خصوصی اسباب پیدا فرما دیئے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے کہ:

اِذَا صَارَ النَّاسُ فِي فُسْطَاطَيْنِ: فُسْطَاطِ اِيْمَانٍ لَا نِفَاقَ فِيْهِ، وَفُسْطَاطِ نِفَاقٍ لَا اِيْمَانَ فِيْهِ.

''عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب تمام لوگ دو خیموں میں بٹ جائیں گے: ایک ایمان کا خیمہ جس میں منافقت کا کوئی شائبہ نہ ہوگا، دوسرا منافقت کا خیمہ جس میں ایمان کا کوئی شائبہ نہ ہوگا۔''

[سنن ابوداؤد (کتاب الفتن والملاحم)، نعیم بن حماد فی الفتن (1/57 حدیث 92)، امام الحاکم نے (4/513 حدیث 8441) اِس حدیث کی سند کو صحیح کا درجہ دیا ہے۔]

اسلام تو پہلے بھی یہی مطالبہ کرتا تھا کہ ''دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ'' اور

مذبذبین (skeptics) کا سا رویہ نہ اختیار کرو ۔ لیکن اب دلچسپ بات یہ ہوئی کہ بالآخر 11 ستمبر 2001ء کے حادثے کے بعد دنیائے کفر کے امام یعنی امریکی صدر جارج بش نے بھی منافقت اور دورنگی کو برداشت کرنے سے انکار کردیا اور صراحت کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ:

''آج ہر قوم کو فیصلہ کرنا ہوگا......یا تو آپ ہمارے ساتھ ہیں یا پھر دہشت گردوں کے ساتھ۔''

یہ صلیب اور اسلام کے اِس جدید معرکے کی سب سے نمایاں اور مثبت خصوصیت سامنے آئی ہے کہ اب کی بار منافقین کے لیے کوئی درمیان کی راہ نہیں بچی ۔ یا تو اُنہیں اسلام کے ساتھ کھڑے ہوکر اپنے ایمان کا عملی ثبوت دینا پڑے گا، یا پھر اُنہیں واضح طور پر کفر اور ارتداد کی راہ اختیار کرنی پڑے گی ۔ چنانچہ آج امت کے لیے دوست اور دشمن کی پہچان کچھ زیادہ مشکل نہیں رہی ۔ ''الولاء والبراء' کا فراموش کردہ عقیدہ آج پھر سے تازہ ہوگیا ہے ۔ وہ آستین کے سانپ جو عرصہ دراز سے اِس اُمت کو ڈس ڈس کر اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر رہے تھے، جن کی سازشوں اور کفر کے ساتھ سازباز ہی کے نتیجے میں خلافتِ عثمانیہ کا سقوط ہوا، جو حیاتِ ملت کے فیصلہ کن موقعوں پر کبھی میر جعفر اور میر صادق بن کر ظاہر ہوئے اور کبھی جمال عبدالناصر، قذافی، حسنی مبارک، کرزئی، محمود عباس، بے نظیر، پرویز مشرف اور جنرل سیسی کی صورت میں نمودار ہوئے ...... آج صلیب اور اسلام کے اِس جدید معرکے نے ایسے سب کرداروں کو اُمت کے سامنے پوری طرح بے نقاب کردیا ہے ۔

اُمتِ مسلمہ کی اجتماعی بے حسی

آج مسلمانوں کو اللہ کی مدد کیسے آئے جبکہ موجودہ زمانے میں امتِ مسلمہ کی اکثریت اتنی آرام طلب اور بے حس ہوچکی ہے کہ جب اُنھیں پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں کسی جگہ مسلمانوں کو بے گناہ قتل کیا گیا ہے تو اُن کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی لیکن اگر اُنھیں پتہ چلے کہ معصوم غیر مسلم

شہریوں کا کہیں قتل ہوا ہے تو وہی مسلمان سخت غمگین ہوجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمانوں کے لیے اللہ کی مدد نہیں آرہی۔ یہ درست ہے کہ ظلم بہر حال ظلم ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ:

حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ اور یورپ سے درگزر

(اقبال)

ابھی حال ہی میں 14 دسمبر 2012ء کو بروز جمعہ امریکی ریاست کنکٹی کٹ (Connecticut) کے ایک پرائمری سکول "سینڈی ہک ایلی منٹری سکول" (Sandyhook Elementary School) میں ایک 20 سال نوجوان ایڈم لنزا (Adam Lanza) نے مشین گن سے 26 افراد کو قتل کر دیا جن میں اسکول کی پرنسپل اور ٹیچرز بھی شامل تھیں۔ اُن قتل ہونے والوں میں سے 20 پہلی جماعت کے بچے تھے جن کی عمریں 6 اور 7 سال کے درمیان تھیں۔ اُن میں سے بعض بچوں کو بیک وقت 10 یا 11 گولیاں تک ماری گئیں۔ آخر میں ایڈم لینزا نے جب دیکھا کہ پولیس پہنچ رہی ہے تو اپنے آپ کو گولی مار کر خودکشی کر لی۔ ایک پہلی جماعت کی طالبہ جس کی عمر 6 سال تھی، وہ اپنی کلاس کی واحد طالب علم تھی جو اِس قتل عام میں زندہ بچی۔ وہ لڑکی صرف اِس لیے زندہ بچ گئی کہ وہ زمین پر گر کر ساکت و جامد ہوگئی اور اُس نے قاتل پر یہ ظاہر کیا کہ وہ مر چکی ہے۔ چنانچہ قاتل اُس کو چھوڑ کر دوسری کلاس میں چلا گیا جہاں اُس نے مزید بچوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ اِس قتلِ عام میں زندہ بچ جانے والی لڑکی نے اپنے والدین کو بعد میں بتایا کہ قاتل ایک نہایت غصے والا شخص نظر آرہا تھا۔

Sanchez, Raf (Dec17,2012) "Connecticut school shooting: Six-year old stayed alive by playing dead. " The Daily Telegraph.

یقیناً یہ بہت افسوس ناک واقعہ ہے اور ہماری ہمدردیاں اُن والدین کے ساتھ ہیں جن کے بچے قتل ہوئے۔ لیکن ہم نے یہ بھی دیکھنا ہے کہ اِس دنیا کا ایک قانون ہے: "جیسا بوؤ گے ویسا ہی کاٹو گے"۔ جارج مونبائیوٹ (George Monbiot) برطانیہ کے ایک انصاف

پسند صحافی ہیں جو باطل کے خلاف آواز بلند کرنے سے ڈرتے نہیں۔ وہ برطانیہ کے سفید فام ہیں اور وہ اُن مسلمانوں کی طرح نہیں جو اپنی بزدلی کو چھپانے کے لیے ہر بات کا الزام مسلم مجاہدین پر ڈالتے ہیں۔ حال ہی میں جارج مونبائیوٹ نے اِس امریکی سکول میں قتل عام کے واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے پہلے اُس پر اظہارِ افسوس کیا، اسکے بعد وہ لکھتے ہیں:

”امریکی صدر اوباما، سینڈی ہک سکول میں بچوں کے قتل پر اپنی پریس کانفرنس میں آنسو بہا رہے تھے۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہم نے جو میڈیا کوریج (media coverage) اُن بچوں کے ایک پاگل نوجوان کے ہاتھوں قتل کو دیا ہے، ویسا ہی کوریج ایک اُداس امریکی صدر کے ہاتھوں پاکستان کے بچوں کے قتل پر ہونا چاہیے۔ وہ (پاکستانی) بچے بھی اُسی طرح اہم ہیں اور دنیا کی توجہ کے مستحق ہیں۔ لیکن پھر بھی امریکہ کے ڈرون حملوں سے قتل ہونے والے پاکستان کے بچوں کے لیے کوئی صدارتی تقریر نہیں ہوتی یا صدر صاحب آنسو نہیں بہاتے، اِن بچوں کی دنیا کے اخبارات کے پہلے صفحہ پر کوئی تصویر نہیں آتی، اُن کے دکھی رشتہ داروں (ماں باپ) کا کوئی انٹرویو نہیں لیتا، کوئی باریک تجزیہ نہیں کیا جاتا کہ ایسا کیوں ہوا؟

صدر اوباما کے ڈرون فضائی حملوں سے قتل ہونے والے بچوں کا اگر امریکہ کی حکومت ذکر بھی کرتی ہے تو صرف اس طرح سے کہ جیسے وہ انسانوں سے کوئی کمتر مخلوق ہیں۔ رولنگ سٹون میگزین (Rolling Stone Magazine) کی رپورٹ کے مطابق جو لوگ ڈرون جہازوں کو (ریموٹ کنٹرول کے ذریعے) چلا رہے ہوتے ہیں وہ حملے میں قتل ہونے والی شہریوں کے لیے "Bug Splat" (کیچڑ میں لت پت کیڑے مکوڑے) کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں کیونکہ ڈرون جہاز کو کنٹرول کرنے والی کمپیوٹر کی سبز رنگ کی سکرین پر انسانی جسم کا

ویڈیو عکس (video image) ایک کیڑے (Bug/insect) کی طرح نظر آتا ہے۔

[Hastings, Michael (16 April, 2012) "The Rise of the Killer Drones: How America Goes to War in Secret" Rolling Stone magazine]

یا پھر انسانی جانوں کی حیثیت نباتات (Plants) جیسی ہے۔صدر اوباما کے دہشت گردی کے خلاف مہم کے ایڈوائزر بروس رائیڈل (Bruce Riedel) نے ڈرون حملوں کے جواز پر دلیل دیتے ہوئے کہا تھا: "تمھیں ہر وقت باغ (لان) سے گھاس کاٹتے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جونہی تم گھاس کاٹنا روکو گے تو گھاس دوبارہ اُگ آئے گا........

امریکہ کی سٹین فورڈ یونیورسٹی (Stanford University) اور نیو یارک یونیورسٹی (NYU) کے لاء کالجز کی ایک رپورٹ کے مطابق صدر اوباما کے صدر بننے کے بعد پہلے تین سالوں میں 259 ڈرون حملے کیے گئے جن کے نتیجے میں 300 اور 569 کے درمیان معصوم شہری (Civilians) قتل ہونے اور اُن ہلاک ہونے والوں میں سے کم از کم 64 چھوٹے بچے تھے۔

پوری دنیا کا میڈیا جو کہ بجا طور پر نیو ٹاؤن کے بچوں کے قتل عام پر اظہار افسوس کر رہا ہے، وہ میڈیا جو کہ بجا طور پر نیو ٹاؤن کے بچوں کے قتلِ عام پر اظہار افسوس کر رہا ہے، وہ میڈیا یا تو صدر اوباما کے (ڈرون کے ذریعے کیے گئے) حملوں سے ہونے والے قتل عام کو نظر انداز کر رہا ہے یا پھر وہ میڈیا یہ سمجھتا ہے کہ وہ سب پاکستانی بچے دہشت گرد (militants) تھے جو ڈرون حملوں میں ہلاک ہوئے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کے صوبہ سرحد کے بچے شاید ہمارے بچوں جیسے نہیں ہیں۔ نہ اُن ہلاک ہونے والوں بچوں کے (میڈیا پر) نام دیئے جاتے ہیں، نہ تصاویر دکھائی جاتی ہیں، نہ اُن کے مرنے پر شمعیں (Candles) روشن کی جاتی ہیں

یا پھول یا ٹیڈی بیئر (Teddy bears) سے اُن کی یادیں منائی جاتی ہیں۔"

[Monbiot, George (Dec.19, 2012) "No tears for Pakistan's Children" Gulfnews.com.]

اسی سلسلے میں معروف اسلامی مفکر پروفیسر شمیم اختر اپنے مضمون "پاکستان امریکہ کی شکار گاہ، بھارت کی گزرگاہ" میں لکھتے ہیں:

"حال ہی میں شمالی وزیرستان کے صدر مقام میران شاہ سے چالیس کلومیٹر دور تحصیل دتہ کے علاقے دیگان میں امریکی جاسوسی طیاروں نے "عسکریت پسندوں" کے ٹھکانوں پر 8 میزائل داغ کر 29 افراد کو ہلاک کر دیا۔ وہ سارے کے سارے عسکریت پسند بتائے جاتے ہیں۔ یہ سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع ابلاغ کا معمول بن گیا ہے کہ وہ ایسے گھناؤنے قتل عام کی خبریں ایسی سُرخیوں کے ساتھ لگاتے ہیں گویا قبائلی علاقے کے باشندے انسانی مخلوق سے جدا کوئی غیر انسانی مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں جن کا خون حلال ہے، جبکہ 11 ہزار میل سے آنے والے آدم خور مسیحی کوئی فرشتے ہیں جو حکم ربی سے اچانک آسمانوں سے آگ برسا کر غیر انسانی مخلوق پر بلا اشتعال میزائل داغ کر اُن کے گھروں کو مکینوں سمیت جلا کر راکھ کر دیتے ہیں۔ گویا یہ اُن کا پاکستان پر احسان ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کو اس کا کیا ثبوت ہے کہ کون عسکریت پسند ہے؟ اور اگر بالفرض کوئی ایسا ہے بھی تو کیا قانون میں اُسے محض اس لیے سزا دی جا سکتی ہے کہ وہ عسکریت پسند ہے؟ کیا اُنھوں نے امریکہ جا کر یا اپنے ڈرون طیارے بھیج کر واشنگٹن، نیویارک، لاس اینجلس، شکاگو یا میامی میں اُن صلیبی صیہونی درندوں پر بمباری کی ہے جنھوں نے ساری دنیا کا امن تہہ و بالا کر رکھا ہے اور قتل و غارت گری کا ایسا بازار گرم کر رکھا ہے کہ اگر چنگیز اور ہلاکو زندہ ہوتے تو اُن کے بھی ہوش اُڑ جاتے۔"

آج مسلمانوں کو اللہ کی مدد کیسے آئے جبکہ مسلمان لوگ اپنی دنیا بنانے کی فکر میں اور معیار زندگی (standard of living) کو بلند کرنے میں اتنے مگن ہیں کہ جب بے بس بچے اور بے کس خواتین جن کے سروں پر بم گرائے جا رہے ہیں وہ مدد کے لیے اُنھیں پکارتے ہیں تو اُن

مسلمانوں کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی حالانکہ سورہ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ بالکل شیشے کی طرح صاف اور واضح ہے اور ہر مسلمان کے لئے ہے:

وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَـذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا o

''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جہاد نہ کرو گے جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اِس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں، اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی اور مددگار پیدا کردے۔'' (سورہ النساء:75)

مسلمانوں کا وجود اور فٹ بال

عصرِ حاضر میں روئے زمین پر سب سے سستا خون آج مسلمان کا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں الیکشن کے دنوں میں سیاستدان حضرات اسلام اور مسلمانوں کے متعلق توہین آمیز بیانات دینا اپنے سیاسی کیریئر بنانے اور عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے لازمی سمجھتے ہیں۔ آج اُمت مسلمہ کی حالت بحیثیت مجموعی ایک فٹ بال (Football) کی طرح ہو چکی ہے۔ ہر کوئی اُنھیں فٹ بال کی طرح پاؤں سے ٹھوکر مارتا ہے۔ اِس کی آخر کیا وجہ ہے؟ اگر یہ سوال ہم ایک فٹ بال (Football) سے کریں کہ آخر تجھے ہر کوئی پاؤں سے ٹھوکر مار کر کیوں کھیلتا ہے اور اگر فٹ بال میں بولنے کی صلاحیت آجائے تو وہ جواب دیگا:

''ہر کوئی مجھے پاؤں سے ٹھوکر (Kick) اسلئے مارتا ہے کیونکہ میں اندر سے خالی ہوں۔ میرے اندر سوائے ہوا (air) کے اور کچھ نہیں۔''

اِس کے برعکس اگر ہم فٹ بال کے اندر ریت یا سیمنٹ بھر دیں تو جو شخص بھی اُس کو پاؤ

ں سے ٹھوکر مارے گا وہ اپنی ٹانگ تڑوا بیٹھے گا اور فٹ بال اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوگا۔ آج مسلمانوں کی اکثریت کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اندر سے خالی ہیں۔ اُن کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ o (سورہ الحجرات: آیت 14)

(یہ بدوی کہتے ہیں کہ "ہم ایمان لائے"۔ اِن سے کہو تم ایمان نہیں لائے، بلکہ یوں کہو کہ "ہم مطیع ہوگئے"۔ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔)

موجودہ وقت کے مسلمان اگر اپنے دلوں کو ایمان اور اپنے وجود کو نیک اعمال کی دولت سے بھرلیں تو اُن میں وہی مضبوطی آسکتی ہے جیسی مضبوطی صحابہ کرام میں تھی۔ کسی غیر مسلم قوم یا منافق حکمران کو یہ ہمت نہ ہوگی کہ وہ مسلمانوں کو چیلنج کریں۔ اِن اسلام دشمن عناصر کا حال وہی ہوگا جو کسریٰ شاہِ ایران کا ہوا تھا کہ اُس نے حضرت عمرؓ بن خطاب کے دورِ خلافت میں اپنے درباریوں کو کہہ دیا تھا کہ اُس کے سامنے عمر بن خطاب کا نام نہ لاکریں کیونکہ عمر فاروقؓ کا نام سُن کر اُس کے جسم پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے۔ یہ ایمان کی طاقت ہی تھی کہ 17 سالہ (teenager) اُسامہ بن زیدؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ پہلے رومیوں کے خلاف لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا، جس لشکر میں بڑے بڑے صحابہ موجود تھے۔ یہ ایمان کی طاقت ہی تھی کہ ایک (teenager) یعنی 17 سالہ محمد بن قاسم نے 711 عیسوی میں اسلامی فوج کے جنرل کی حیثیت سے سندھ پر حملہ کیا، ہندو بادشاہ راجہ داہر کی افواج کو بری طرح شکست دی اور برصغیر میں پہلی اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ یہ ایمان کی طاقت ہی تھی کہ ایک (teenager) یعنی 17 سالہ طارق بن زیاد نے اسلامی فوج کی قیادت کی، سپین کے جبل طارق پر پہنچ کر اپنی اور اپنی فوج کی کشتیوں کو آگ لگادی اور 711 عیسوی میں سپین میں اسلامی پرچم لہرادیا تھا۔ یہ ایمان کی طاقت ہی تھی کہ ایک نوجوان

یعنی 21 سالہ سلطان محمد فاتح نے 1453 عیسوی میں اسلامی فوج کی قیادت کرتے ہوئے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ یوں ایک 21 سالہ مسلم نوجوان نے ڈیڑھ ہزار (1,500) سال سے قائم بزنطینی سلطنت اور اپنے وقت کی ایک سُپر پاور کا خاتمہ کردیا۔ یقیناً آج بھی مسلم نوجوان اگر انٹرنیٹ چیٹنگ، فیس بک(Facebook)،سوشل نیٹ ورکنگ، ویڈیو گیمز (playstation 2 & 3)،ٹی وی،ڈش،کیبل، وغیرہ میں اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنے ایمان کو مضبوط کریں اور اسلام کے دفاع کے لئے کھڑے ہو جائیں تو تاریخ اپنے آپ کو دہرا سکتی ہے کیونکہ بقول علامہ اقبالؒ :

آج بھی ہو جو براہیم سا ایمان پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

گناہ، اللہ کی مدد آنے میں سب سے بڑی رکاوٹ

اب ایسا دور آ گیا ہے کہ اکثر مسلمان اِس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ اُن کی کمائی حلال کی ہے یا حرام کی حالانکہ حرام کی کمائی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بندے کی دعائیں قبول ہونا بند ہو جاتی ہیں۔مسلمانوں میں رشوت، دھوکہ بازی، ادھار لینا ہی اِس نیت سے کہ واپس نہیں کرنا، وغیرہ عام ہو چکا ہے۔رشوت کے لیے خوبصورت الفاظ مثلاً چائے پانی، مُک مکا وغیرہ یا عرب ممالک میں رشوت کے لیے "ہدیہ" کا دلکش لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمان ملکوں کے بینک، عوام کو سُود پر قرض دیتے ہیں لیکن اُس کے لیے خوبصورت الفاظ استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہ خوبصورت الفاظ اُنھوں نے اِس لئے گھڑے ہیں تاکہ کسی طرح اپنے ضمیر کی خلش کو مٹایا جا سکے ورنہ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اِن گناہوں کو چھپانے والی خوبصورت اصطلاحات کی اصلیت کچھ نہیں:

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللهُ بِهَا مِن

سُلْطَانٍ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ وَلَقَدْ جَاءَ هُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَى o (سورہ النجم :23)

''دراصل یہ کچھ نہیں ہیں مگر بس چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لئے ہیں۔اللہ نے اِن کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض وہم وگمان کی پیروی کر رہے ہیں اور خواہشاتِ نفس کے مرید بنے ہوئے ہیں۔حالانکہ اُن کے رب کی طرف سے اُن کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔''

جو شخص حرام کی کمائی اپنے گھر میں لاتا ہے اُس کے تباہ کن اثرات اُس کے بیوی، بچوں، ماں باپ، حتیٰ کہ پورے معاشرے میں پھیل جاتے ہیں۔جس شخص کے بدن پر حرام کی کمائی چڑھی ہو اُس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، وہ خود بے سکون رہتا ہے اور دوسروں کو اپنے ساتھ بے سکون کرتا ہے۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالی ہے:

وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقاً مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَo

(سورۃ البقرہ:188)

''اور یاد رکھو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ، رشوت کو حاکموں تک رسائی کا ذریعہ نہ بناؤ اور جان بوجھ کر دوسروں کا مال ہڑپ نہ کرو۔''

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ﴾ (سورۃ النساء: 29)

''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ۔البتہ باہمی رضامندی سے تجارت کے ذریعے جو مال حاصل کرو وہ کھا سکتے ہو۔''

اسی طرح فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ عِرْضُهُ

(جامع ترمذی، ابواب البّر)

"ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت حرام ہے۔"

[امام ترمذی نے اِس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے۔]

موجودہ دجالی دور میں بالخصوص پاکستان میں حرام کمائی کرنا آسان اور حلال کمائی کرنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ موجودہ نظامِ معیشت میں بعض چیزیں واضح طور پر ناجائز اور حرام ہیں لیکن اُنھیں حکومتی سرپرستی حاصل ہے بلکہ بعض "میڈیا علماء" یا "سرکاری علماء" (جنھیں Scholars for dollars کہنا زیادہ موزوں ہے) کی تائید سے اُنھیں مسلم اُمت میں جاری کر دیا گیا ہے۔ اِس پر مستزاد، رشوت اور دیگر حرام بزنس اور کاروبار ہیں۔ حدیث میں آتا ہے۔

لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَايُبَالِيَ الْمَرْءُ بِمَا اَخَذَ الْمَالَ؟ اَمَنْ حَلَالٌ اَمْ حَرَامٌ ؟ (صحیح بخاری، کتاب البیوع)

"لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کو اِس بات کی پرواہ نہ ہوگی کہ اُس نے مال کس طرح کمایا ہے؟ کیا وہ حلال ہے یا حرام۔"

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ دور اب آچکا ہے۔ اس لیے ہمارے پر لازم ہے کہ ہم تحقیق کریں کہ کیا ہماری کمائی کا ذریعہ حلال ہے یا حرام اور اگر وہ حرام ہے تو حلال کمائی یا آمدنی کا کوئی راستہ ڈھونڈیں۔ حرام کی کمائی کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں:

1) حرام چیزوں کی تجارت مثلاً ایسی ویڈیو، ڈی وی ڈی، آڈیو بیچنے کی دکانیں جن میں فلموں اور گانوں کے کیسٹ بیچے جاتے ہیں۔

2) بینک سے سود پر قرضہ لے کر کاروبار کرنا یا اپنے مکان کی مرمت (Construction) کرنا یا کوئی اور کام کرنا
3) رشوت لینا
4) انشورنس سکیموں کے فوائد
5) عورتوں کی وہ تمام ملازمتیں جن میں بلاضرورت بے پردگی لازمی ہو جائے۔
6) عورتوں کا ٹی وی یا اشتہاری کمپنیوں (Advertisement companies) میں ماڈل کے طور پر کام کرنا کیونکہ ماڈلنگ کے پیشے کا مطلب دراصل اپنے جسم کو بیچنا ہوتا ہے جو کہ طوائفوں کا کام ہوتا ہے۔
7) تمام غیر اسلامی بینکوں میں رکھوائے ہوئے پیسے پر منافع
8) فلموں، موسیقی اور لہوولہب (''فن کی خدمت'') کا کاروبار
9) عورتوں کی تصاویر والی چیزوں کی خرید وفروخت
10) ایسے درزیوں کا کاروبار یا فیشن ڈیزائن کمپنیاں جو عورتوں کے لیے باریک کپڑے یا غیر ساتر ڈیزائن تیار کرتے اور سیتے ہیں۔
11) ایسے NGO یا غیر ملکی اداروں میں کام کرنا جہاں مسلمان شہریوں کی جاسوسی کی جاتی ہو۔حقیقت یہ ہے کہ ایسی جگھوں پر کام کرنا بہت عظیم گناہ ہے اور وہاں کی کمائی خالص سو فیصد حرام کی ہوتی ہے۔
12) تمام انعامی سکیمیں جن کا فیصلہ قرعہ اندازی سے کیا جاتا ہے۔
13) اکثر کمپنیوں کے شیئرز پر ملنے والا منافع
14) داڑھی مونڈنے کی اُجرت
15) منشیات کی خرید وفروخت

یاد رہے کہ اِن میں سے بعض چیزوں کے بارے میں گنتی کے چند عالموں نے اختلاف کرنے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ حق حق ہے اور باطل باطل۔ آج مسلمان یہ بھول گئے ہیں کہ حرام کی کمائی اور اسطرح کے دوسرے گناہوں کی وجہ سے نہ صرف اللہ کی مدد نہیں آتی بلکہ انسان کا رزق بھی تنگ ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن ہمیں بتاتا ہے:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِيْ فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمٰى ٥ (سورہ طٰہٰ: 124)

''اور جو میرے ''ذکر'' (درسِ نصیحت) سے منہ موڑے گا اُس کے لیے دُنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور آخرت کے روز وہ اندھا کر کے اُٹھایا جائے گا۔''

جب کسی معاشرے میں گناہ کے کام عام ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں خدائی آفات بھی عام ہو جاتی ہیں۔ احادیث سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جب کسی اسلامی معاشرے میں موسیقی عام ہو جاتی ہے تو وہاں اللہ کا عذاب جلد یا بدیر (sooner or later) آکر رہتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے:

يَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِّنْ أُمَّتِيْ الْخَمْرَ يَسُمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا يُعْزَفُ عَلٰى رُؤُسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْ (سنن ابن ماجه)

''عنقریب میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور اُس کا نام بدل دیں گے۔ اُن کے سروں پر ناچ گانے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو زمین میں دھنسا دے گا اور اُن میں سے بعض کو خنزیر اور بندر بنا دے گا۔''

[یہ ایک صحیح حدیث ہے۔ اِنہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بیہقی اور ابن عسا کر نے بھی روایت کی ہے۔ علامہ ابن قیم نے اِس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اِس کے علاوہ عصر حاضر

کے محدث شیخ ناصرالدین البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے۔]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کم از کم تیرہ صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن میں آلات موسیقی اور گانے والوں کی کثرت کو اللہ کے عذاب کے نزول کی وجہ بتایا گیا ہے۔ علامہ ابن القیمؒ اس بارے میں اپنی کتاب "اغاثة اللهفان" میں لکھتے ہیں:

وَقَدْ تَظَاهَرتِ الْاَخْبَارِبوَقُوْعِ الْمَسَخِ فِهٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهُوَ مُقِيْدٌ فِیْ اَكْثَرِ الْاَحَادِيْث بِاَصْحَابِ الغِنَاءِ وَشَارِبِی الْخَمْرِ (اغاثة اللهفان)

ترجمہ: "احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ بات بکثرت آئی ہے کہ اس امت میں چہرے بگڑنے (مسخ) کا عذاب واقع ہوگا اور اکثر حدیثوں میں یہ عذاب گانے بجانے میں منہمک ہونے اور شراب پینے والوں کے ساتھ مقید ہے۔"

(اغاثة اللهفان من مصائد الشيطان۔علامه ابن القيم۔دار البيان 1993ء)

یہی حال دیگر گناہ کے کاموں کے معاملے میں ہے۔آج اُمت مسلمہ میں یہودی اور عیسائی قوموں والی خصوصیات پیدا ہوگئی ہیں۔جس طرح عیسائی اپنے پادریوں سے صلیبی جنگوں کے دوران معافی کے پروانے پیسے دے کر حاصل کرتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی اپنی مرضی کا فتوے حاصل کرنے کے لئے فتویٰ شاپنگ (Fatwa shopping) کرتے ہیں۔انٹرنیٹ پر کبھی ایک عالم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تو کبھی دوسرے آن لائن عالم سے حالانکہ علمائے اسلام نے یہ اصول بتایا ہے:

مَنْ تَتَبَّعَ الرُّخصَ فَقَدْ تَزَنْدَق

"جو شخص جان بوجھ کر (ہر مسئلے میں) مذہب میں آسانیاں ڈھونڈتا ہے وہ زندیق (کافر) ہوجاتا ہے۔"

اِس دور کے مسلمان ہو بہو وہی کام کر رہے ہیں جو اُن سے پہلے کی اقوام نے کیا۔ اسی حقیقت کو حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت کی گئی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا:

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ ، شِبْرًا بِشِبْرٍ وَّذِرَاعًا بِذِرَاعٍ . حَتّٰی لَوْدَخَلُوْا فِیْ حُجْرِضَبٍّ لَاتَّبَعْتُمُوْھُمْ . قُلْنَا : یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی ؟ قَالَ فَمَنْ ؟

(صحیح مسلم)

''یقیناً تم لوگ بھی اپنے سے پہلے لوگوں کی پیروی کرتے ہوئے ہو بہو وہی کام کرو گے جو اُن پہلے لوگوں نے کیئے تھے۔ حتیٰ کہ اگر وہ کسی نیولے کی کوہ یا سوراخ (Lizard's hole) میں گھسے ہوں گے تو تم بھی اُس سوراخ میں گھسنے سے دریغ نہ کرو گے۔ تو صحابہ کرامؓ پوچھنے لگے کہ یا رسولؐ اللہ! کیا آپ کی پہلے لوگوں سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: اُن کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟'' (صحیح مسلم)

مسلمان قوم کی بد اخلاقی

مسلمانوں کو اللہ کی مدد کیسے آئے جبکہ ہم مسلمانوں کے اخلاق اور آداب نہایت خراب ہیں۔ غیر مسلم ممالک میں ہر محکمے میں اُن کے اخلاق نہایت اعلیٰ ہوتے ہیں اور بات کرتے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی ہے لیکن مسلم معاشروں میں بد اخلاقی عام ہے۔ پاکستان کے ہسپتال ہوں یا گورنمنٹ کے محکمے، بازار ہوں یا مساجد، بینک ہوں یا سکول، ہر

جگہ بد اخلاقی ایک وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے ۔اسی طرح پاکستان کے بعض گورنمنٹ کے محکموں میں رشوت کے بغیر اچھا اخلاق مشکل سے ہی دیکھنے میں ملتا ہے ۔ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا ، وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا، وَ يَأمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ ، وَ يَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ (مسند احمد، الترمذی)

[امام ترمذی کے مطابق یہ حدیث حسن ہے یعنی مستند ہے ۔]

''وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے ہمارے ہمارے بچوں پر رحم نہ کیا اور بزرگوں کی عزت نہ کی اور نیکی کے کاموں کا حکم نہ دیا اور بُرے کاموں سے لوگوں کو روکا نہیں ۔''

ہم اب بھی بزرگوں کیلئے تو بس میں جگہ چھوڑ دیتے ہیں لیکن بچوں کو اُٹھا کر خود اُن کی جگہ بیٹھ جاتے ہیں حالانکہ وہ تو بزرگوں سے بھی زیادہ ضعیف ہوتے ہیں، مسجدوں میں یہی بچے جو صرف اپنے شوق سے ہم سے بھی پہلے آئے ہوئے ہوتے ہیں اور پہلی صفوں میں کھڑے ہوتے ہیں تو بجائے اِس کے کہ ہم اُن کو شاباش کہہ کر وہیں کھڑا رہنے دیں، ہم اُنھیں ڈانٹ کر پیچھے دھکیل دیتے ہیں ۔مذہبی مدرسوں میں بچوں کی وہ پٹائی کی جاتی ہے کہ اللہ کی پناہ! کیا قرآن حفظ کرنے والے بچے ایسی مار کے مستحق ہیں؟

معلوم نہیں ہم مسلمانوں کے لہجے اتنے کرخت کیوں ہوگئے ہیں؟ اگر ہم کسی غیر مسلم کے ساتھ ملاقات کریں اور وہ ہو بھی کسی یورپین ملک کا، تو ہم دیکھیں گے کہ وہ ہمیشہ ہنس کر بات کرے گا، بات اچھی طرح سنے گا، بلا وجہ طنز نہیں کرے گا اور اپنی بات بھی بہت اچھے انداز سے آپ کے سامنے رکھے گا۔جبکہ وہی میٹنگ کسی عربی یا عجمی مسلمان کے ساتھ ہو تو چہرے پر کرختگی، مسکراہٹ کا دور دور تک نام و نشان نہیں، بد اخلاقی وغیرہ۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان اچھے انداز سے پیش آئے ۔کیا ہم مسلمان اخلاق حسنہ کا

درس بھول گئے ہیں یا کیا ہم جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں؟ یا ہم دوسروں پر اعتماد ہی نہیں کرتے؟ اس بداخلاقی اور سخت لہجے کی وجہ کیا ہے؟

حدیث کے مطابق مسلمان بھائی کا دوسرے مسلمان بھائی کے سامنے مسکرانا بھی صدقہ ہے جیسا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ وعلیہ وسلم نے فرمایا ہے:

تَبَسُّمُکَ فِی وَجْہِ اَخِیْکَ صَدَقَۃٌ وَ اَمْرُکَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھْیُکَ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَۃٌ۔ (الترمذی، ترغیب و الترھیب، مشکوٰۃ)

(امام منذری نے الترغیب و الترھیب (365/3) میں اِس حدیث کو صحیح اور حسن کے درمیان کہاہے۔ شیخ البانی نے صحیح الترمذی (1956) میں اِس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے۔)

''ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائی کے سامنے مسکرانا بھی صدقہ ہے، نیکی کے کاموں کا حکم کرنا اور برائی کے کاموں سے روکنا بھی صدقہ ہے۔''

لیکن ہمارے پاکستانی معاشرے تک یہ حدیث شاید ابھی نہیں پہنچی۔ ہمارے ہاں بات بے بات پر مسکرانا معیوب سمجھا جاتا ہے حالانکہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ صدقہ دیا کرو اور سب سے آسان صدقہ کسی سے مسکرا کر بات کرنا ہے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس بات کو ایک غیر قوم نے اپنا لیا ہے اور ہم اِس نعمت سے محروم رہے ہیں حالانکہ یہ فطرت کا سب سے آسان تحفہ ہے۔ ہمارے معاشروں میں مسکراہٹ کا جواب شاید کسی بالغ آدمی سے حیرت کی شکل میں ملے لیکن ایک بچہ جو فطرت سے قریب تر ہوتا ہے وہ ہمیشہ مسکراہٹ کے جواب میں مسکراتا ہے۔ افسوس کہ یہ سبق حدیث میں موجود تھا لیکن مسلمانوں نے احادیثِ نبویؐ سے پیٹھ پھیر لی۔ آج ہمارے ملک میں کئی ملٹی نیشنل فرمیں اپنے ملازمین کو پہلی ترتیب ہی یہ دیتی ہیں کہ گاہک کے سامنے مسکرا کر بات

کریں۔وہ اپنے ملازمین کو یہ سکھاتے ہیں کہ کسی کام سے انکار بھی کرنا ہوتو مسکرا کر کرنے کی عادت ڈالیں۔ یہ درست ہے کہ اسلامی معاشرے میں عورتوں مردوں کے آزادانہ اختلاط کی آزادی نہیں ہوسکتی جو مغرب میں ہے اور نامحرم مردوں عورتوں کا ایک دوسرے کے سامنے مُسکرانے کی اِس حدیث میں بات نہیں ہو رہی لیکن مسلم معاشرے میں مرد حضرات مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے تو کم ازکم اچھے اخلاق کا مظاہرہ کریں۔

اگر ہم اپنی اسلامی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو ہم دیکھیں گے کہ دنیا میں سب سے زیادہ لوگوں نے مسلمان تاجروں کے اخلاق سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا ہے۔ اِس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی آبادی جنوب مشرقی ایشیا میں ہے جہاں مسلمان تاجروں کے علاوہ کوئی جہادی یا تبلیغی جماعت نہیں گئی ہے یعنی انڈونیشیا اور ملائیشیا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ وہاں کوئی مسلم فوج نہیں گئی۔صرف اچھا اسلامی اخلاق گیا اور اُس اچھے اخلاق نے وہ کام کردکھایا جو بڑے بڑے ہتھیار بھی نہ کرسکے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک انسان اپنے اچھے اخلاق اور عادات کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ بداخلاقی ہی ہے کہ جو کہ خاندانوں کو توڑ پھوڑ دیتی ہے، دوستی کو دشمنی میں بدل دیتی ہے اور آپس میں دوریاں ڈال دیتی ہے جبکہ یہ خوش اخلاقی ہی ہے کہ بڑے سے بڑا دشمن بھی انسان کے اچھے اور عمدہ اخلاق کی وجہ سے متاثر ہو جاتا ہے۔مسلمان آج یہ بات بھول گئے ہیں کہ ہم تو اُس نبی صلی اللہ وعلیہ وسلم کی امت ہیں کہ جن کے اخلاق کے متعلق قرآن میں آیا ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ۝ (سورۃ القلم: 4)

”بیشک آپ(صلی اللہ وعلیہ وسلم) اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔“

رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم کے اخلاق کی بہترین تعریف حضرت عائشہ ؓ نے اپنے اِس

قول میں فرمائی ہے:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ۔ (صحیح مسلم، مسند احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

''قرآن ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق تھا۔''

اِس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے محض قرآن کی تعلیم ہی پیش نہیں کی تھی بلکہ خود اُس کا مجسم نمونہ بن کر دکھایا تھا۔ جن اخلاقی صفات کو قرآن میں فضیلت قرار دیا گیا سب سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اُن سے متصف تھی اور جن اخلاقی صفات اور عادات کو قرآن میں ناپسندیدہ ٹھیرایا گیا سب سے زیادہ آپ اُس سے پاک تھے۔ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی خادم کو نہیں مارا، کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہ اٹھایا، جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کبھی آپ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا، اپنی ذات کے لیے کبھی کسی ایسی تکلیف کا انتقام نہیں لیا جو آپ کو پہنچائی گئی ہو سوائے اِس کے کہ اللہ کی حرمتوں کو توڑا گیا ہو اور آپؐ نے اللہ کی خاطر اُس کا بدلہ لیا ہو، اور آپؐ کا طریقہ یہ تھا کہ جب دو کاموں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا تو آپؐ آسان تر کام کو پسند فرماتے تھے اِلاّ یہ کہ وہ گناہ ہو اور اگر کوئی کام گناہ ہوتا تو آپؐ سب سے زیادہ اُس سے دُور رہتے تھے'' (مُسند احمد) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ''میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے۔ آپ نے کبھی میری کسی بات پر اُف تک نہ کی۔ کبھی میرے کسی کام پر یہ نہ فرمایا کہ تُو نے یہ کیوں کیا، اور کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کیوں نہ کیا۔'' (بخاری و مسلم)۔

آپ اندازہ لگائیں کہ دس سال کوئی تھوڑا عرصہ نہیں ہوتا ہے، یہ ایک طویل عرصہ ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حضرت انسؓ نے ایک دوسری حدیث میں یہ بھی وضاحت فرمائی

تھی کہ مجھے اُس وقت پتہ چلتا کہ میں نے کوئی غلطی کی ہے جب دیکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ کر مسکرا رہے ہیں ۔ اِس بداخلاقی کا حل صرف قرآن اور سیرتِ رسول صلی اللہ وعلیہ وسلم پر عمل میں پوشیدہ ہے ۔ آج مسلمانوں کو محفلِ میلاد النبی صلی اللہ وعلیہ وسلم منانے کی بجائے ''محفلِ اخلاق النبی صلی اللہ وعلیہ وسلم'' منانے کی ضرورت ہے، آج مسلمانوں کو ''**عید میلاد النبی صلی اللہ وعلیہ وسلم**'' کا جلوس نکالنے کی بجائے ''**عید اخلاق النبی صلی اللہ وعلیہ وسلم**'' کا جلوس نکالنے کی ضرورت ہے تا کہ ہر مسلمان ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا اچھا اخلاق اپنا سکے۔

مسلمانوں میں ہندوانہ تہذیب اور بھارت سے محبت

ہمارے دور کے اکثر مسلمانوں کو اسلام کے عقیدۂ الولاء والبراء کا تصور ہی نہیں ۔ اب تو حال یہ ہے کہ پاکستان کے بعض سیاستدان، ہندوانہ تہذیب اور بھارت سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ جتنی محبت شاید ہندو حضرات بھی بھارت سے نہ کرتے ہوں ۔ کوئی سیاستدان ''انڈیا اور پاکستان کے درمیان سے دیوار برلن'' کو گرانے کا کہتا ہے تو کوئی ''انڈیا کو سب سے پسندیدہ ملک'' قرار دینے کے درپے ہیں ۔ دوسری طرف بھارت کی پاکستان سے نفرت کا حال یہ ہے کہ وہاں پر جو بھی بڑا حادثہ رونما ہوتا ہے اُس میں بھارت کے ہندو سیاستدان، پاکستان کو ملوث کرنا ضروری سمجھتے ہیں ۔ چند ماہ پہلے موسم سرما میں دہلی میں خواتین پر تشدد کے واقعات کے خلاف منعقد ایک میٹنگ میں دہلی کی وزیر اعلیٰ، خواتین کمیشن کی صدر اور دہلی پولیس کمشنر موجود تھے ۔ میٹنگ میں پولیس کمشنر نے کہا کہ لڑکیوں کو بھی چاہیے کہ اپنے لباس اور وضع قطع کو اخلاقیات کا پابند بنائیں، رات دیر کے گشت سے بچیں اور والدین کے بغیر سیر و تفریح کے مقامات پر نہ جائیں ۔ اِس پر وزیر اعلیٰ سمیت دوسری تمام عہدیدار خواتین نے پولیس کمشنر کی خوب لعن طعن کی ۔ اُس کے بعد دہلی میں وہاں کے پولیس کمشنر کے مشورہ کے

خلاف ہندو عورتوں مردوں نے جو مظاہرہ کیا تھا اُس میں تختیوں پر لکھا تھا: '' طالبانی مشورہ نہیں چلے گا، نہیں چلے گا۔'' اسی طرح ایک اور مظاہرہ انڈیا گیٹ پر ہوا جس میں شریک ہندو لڑکیوں اور خواتین نے با قاعدہ اعلان کر کے نیم عریاں کپڑے زیب تن کیے تھے۔ کوشش کی تھی کہ جسم کا زیادہ سے زیادہ حصہ نظر آئے۔ بینروں پر لکھا ہوا تھا: ''اپنی نظریں ٹھیک رکھ، مجھے نہ دیکھ'' اور لکھا تھا: ''نظریں تیری خراب اور پردہ میں کروں؟''

اِن نیم عریاں ہندو لڑکیوں اور خواتین کے احتجاجی مظاہروں کو پوری دنیا کے میڈیا نے بہت سراہا صرف اس لئے کہ یہ بُت پرست ہندو تھیں۔ لیکن چند سال پہلے جب طالبان نے عورتوں کو پردہ کرنے کا کہا تھا تو پوری دنیا کے میڈیا کو گویا کہ موت آ گئی تھی کہ طالبان نے یہ کیا کر دیا، عورت کو مردوں کے سامنے ننگا ہونے سے کیوں روک دیا اور پاکستان کے روشن خیال دانشوروں نے بھی میڈیا کو اُس وقت یہی کہا تھا: '' آقا کا حکم سر آنکھوں پر''۔ بُت پرست ہندوؤں اور یہود و نصاریٰ کی اسی نفرت کے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کے بھید بخوبی جانتا ہے:

﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾

(سورہ آل عمران:118)

''ان کے دل کا بغض اور کینہ اُن کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اُس سے شدید تر ہے۔''

ہندوستان کے بت پرست ہندوؤں کے دل، اسلام اور مسلمانوں کی نفرت سے بھرے ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نورِ توحید کو پوری دنیا میں مکمل کر کے رہے گا چاہے مشرکوں کو یہ برا لگے (وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ)۔ آج ہندو خواتین کو جب اُن کے ایک ہندو پولیس کمشنر نے یہ مشورہ دیا کہ اپنی بے حیائی کو کچھ کم کریں تو انھوں نے یہ نعرہ بلند کر دیا۔'' طالبانی

مشورہ نہیں چلے گا، نہیں چلے گا،'' لیکن انھیں کیا معلوم کہ ہمارے نبی رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشین گوئی فرمادی تھی کہ ایک دن یہی خراسان (افغانستان اور پاکستان کے سرحدی علاقے) کے مجاہدین پورے ہندوستان پر اسلام کا پرچم لہرا دیں گے اور پھر فتح کے بعد شام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شامل ہو کر جہاد کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مبارکہ میں فرمایا ہے:

عِصَابَتَانِ مِنْ اُمَّتِی اَحْرَزَهُمُ اللهُ مِنَ النَّارِ عِصَابَةٌ تَغْزُوْ الْهِنْدَ وَ عِصَابَةٌ تَكُوْنُ مَعَ عِيْسٰى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

''میری امت کے دولشکروں پر اللہ نے جہنم کی آگ حرام قرار دی ہے: ایک وہ لشکر جو ہندوستان پر حملہ کرے گا اور دوسرا جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا ساتھ دے گا۔''

(مسند احمد بن حنبل کتاب الجهاد، سنن النسائی)

[شیخ البانی نے اِس حدیث کو صحیح سنن النسائی (668/2، حدیث 2575) میں صحیح کا درجہ دیا ہے۔]

مندرجہ بالا حدیث میں اِس بات کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ جو لشکر حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی نصرت کے لیے نکلے گا وہ پہلے برصغیر میں اللہ کے باغی اور ظالم وجابر حکمرانوں کا بھی اقتدار ختم کر کے اور اُن کو اپنی قید میں لے کر روانہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرہؓ نے اِس لشکر میں شرکت کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو نقل فرمایا:

''میری امت کے کچھ لوگ ہندوستان سے جنگ کریں گے، اللہ تعالیٰ اُن مجاہدین کو فتح عطا فرمائے گا حتی کہ وہ ہندوستان کے بادشاہوں (حاکموں)

کو بیڑیوں میں جکڑ کر لائیں گے، اللہ (اُس عظیم جہاد کی برکت سے) اُن مجاہدین کی مغفرت فرمائے گا، پھر جب وہ شام کی طرف پلٹیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام کو وہاں موجود پائیں گے۔'' (اس پر) حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: ''اگر میں نے وہ غزوہ پایا تو اپنا نیا اور پرانا سب مال بیچ دوں گا اور اُس میں شرکت کروں گا، جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا کر دی اور ہم واپس پلٹ آئے تو میں ایک آزاد ابو ہریرہؓ ہوں گا (یعنی جہنم سے آزاد) جو ملک شام میں (اِس شان سے) آئے گا کہ وہاں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو پائے گا۔ یا رسول اللہ! اُس وقت میری شدید خواہش ہو گی کہ میں اُن کے پاس پہنچ کر انہیں بتاؤں کہ میں آپ کا صحابی ہوں۔'' راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ یہ بات سن کر مسکرا پڑے اور ہنس کر فرمایا: ''بہت مشکل، بہت مشکل''۔

(''الفتن''، نعیم بن حمادؒ، باب غزوہ الهند 1/410 حدیث1236,1238 ومسند اسحق بن راھویه 1/462،حدیث 537)

مذہبی بندہ خود اپنے خاندان میں اجنبی

موجودہ زمانے میں پردیسی (اجنبی) کون ہیں؟ اِس کا جواب درج ذیل تین احادیث کو پڑھ کر مل سکتا ہے۔یہ احادیث امر بالمعروف و نھی عن المنکر (نیکی کا حکم کرنے اور بُرے کاموں سے روکنے کا کام) کرنے والوں کی تعریف میں آئی ہیں۔چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَءَ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ.

(صحیح مسلم بروایت ابو ہریرہؓ)

"اسلام کی ابتداء بے کسی اور پردیسی والی مصیبتوں میں ہوئی اور قریب ہے کہ پھر ویسی ہی حالت اُس پر طاری ہو جائے سو کیا ہی خوشی اور مبارکی ہے پردیسیوں کے لیے!"

دوسری حدیث جامع ترمذی میں وارد ہوئی ہے:

اِنَّ الدِّيْنَ بَدَءَ غَرِيْبًا وَيَرْجِعُ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ

(ترمذی بروایت عمرو بن عوفؓ)

"دین کی ابتدا اجنبیت سے ہوئی اور قریب ہے کہ پھر اسی کی طرف پلٹ آئے. پس کیا ہی مبارکی ہے پردیسیوں اور بے یاروں کے لیے۔ یہی لوگ ہیں جو خرابیوں کو دور کر دیں گے جو لوگوں نے میرے بعد میری سنت میں پیدا کر دی ہوں گی"۔

تیسری حدیث مُسند احمد اور طبرانی نے مرفوعاً روایت کی ہے:

طُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ قُلْنَا وَمَا الْغُرَبَاءُ ؟ قَالَ : قَوْمٌ صَالِحُوْنَ قَلِيْلٌ فِيْ نَاسٍ سُوْءٍ مَنْ يَّعْصِيْهِمْ اَكْثَرُ مِمَّنْ يُّطِيْعُهُمْ (مُسند احمد، طبرانی)

"مبارکباد ہے غرباء کے لیے! ہم نے پوچھا غرباء کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صالحین کی ایک جماعت، برے لوگوں میں تھوڑے سے اچھے، اُن اچھوں کی بات نہ ماننے والے زیادہ ہوں گے بہ نسبت اُن کی بات ماننے والوں کے۔"

اِس حدیث میں غربت اور غریب کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں پردیسی، بے گھر اور بے وطن ۔اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی ابتدا ہجرت کی مصیبتوں اور مظلومیوں سے ہوئی تھی ۔عروج و اقبال کے بعد پھر ویسا ہی زمانہ آنے والا ہے بلکہ اب آچکا ہے ۔ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے دور میں حق مغلوب ہو گیا ہے، لوگ قرآن و سنت کی راہ چھوڑ بیٹھے ہیں، ظلم و فساد

اور بدعات کا ہر طرف دور دورہ ہے۔ حق پر چلنے والے اور قرآن وسنت کی سچی اور خالص پیروی کرنے والے اپنی کم تعداد اور بے چارگی کے سبب آج ایسے ہو گئے ہیں جیسے پردیسی مسافر۔ سارا شہر خوشحالوں سے بھرا پڑا ہے، ہر شخص اپنے وطن میں آرام اور راحت کے مزے لوٹ رہا ہے مگر اُس اجنبی کے لیے نہ تو کوئی گھر ہے جہاں اپنا سر چھپا، نہ کوئی آشنا ہے جسے اپنے دل کا دُکھڑا سنائے۔ پرایا دیس اور پرائے لوگ، نہ یہ اُن کی بولی جانے نہ وہ اُس کی زبان سمجھیں۔ اپنے قریبی ترین خاندان کے لوگوں کی غیر اسلامی طرزِ زندگی اور دنیا کی محبت کو دیکھ کر دل ہی دل میں خون کے آنسو روتا ہے۔ کہنے کو بہت کچھ ہے پر کس سے کہے؟ جو آگ سینے میں ہے وہ کیسے سہے؟ پس ہر لحاظ سے غربت و بے کسی ہوگی۔ بے دین مسلمانوں کی بھیڑ ساری دنیا پر چھا جائے گی، اُن کے مقابلہ میں سچے حق پرست مسلمان پردیسیوں کی طرح اِکا دُکا نظر آئیں۔ الغرض کہ پورے شہر میں "قوم صالح قليل في ناس سوء كثير" (صالحین کی ایک جماعت بُرے لوگوں میں تھوڑے سے اچھے) کا منظر ہر طرف دیکھنے کو ملے گا۔

پس عصرِ حاضر میں ہر جگہ اسلام اور اُس پر عمل کرنے والے اجنبی بن کر رہ گئے ہیں حتیٰ کہ اکثر اوقات خود اپنے خاندان میں بھی۔ اسی اجنبیت (strangeness) کو حدیث میں غریب اور غرباء (strangers) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورہ الواقعہ میں فرمایا گیا ہے کہ السابقون الاولون (دینِ اسلام پر عمل کرنے میں پہل کرنے والے) آخری زمانے میں (یعنی موجود زمانے میں) بہت کم ہو جائیں گے (وقليل من الآخرين)۔ ہمارے دور میں مسلمانوں میں عام طور پر یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ پورے پورے خاندان مذہب سے دور ہوتے ہیں اور اُن میں کوئی ایک شخص مع اپنی بیوی بچوں کے مذہبی ہوتا ہے۔ چنانچہ مذہب سے دور خاندان والے اپنے خاندان کے مذہبی شخص کی بڑی بے قدری کرتے ہیں۔ مزید برآں، فرائض دینی کا محدود تصور رکھنے والے رشتہ دار (یعنی صرف نماز، روزہ، حج، عمرہ کو پورا اسلام سمجھنے والے) اپنے خاندان کے بلند ہمت داعی اور مبلغ کی قدر نہیں کرتے، چاہے وہ شخص قرآن

وسنت پر کتنی ہی سختی سے عمل کر رہا ہو، چاہے آسمان سے اُس کے حق میں سیڑھی ہی کیوں نہ اُتر آئے۔ اُردو کے دو محاورے اسی حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں: ''گھر کے پیر کی قدر نہیں ہوتی''اور''گھر کی مرغی دال برابر''۔ بلکہ ایک عربی زبان کی ضرب المثل تو شاید اِس سے بھی زیادہ جامع ہے:

اَزْهَدُ النَّاسِ فِی عَالِمٍ جِیْرَانُهُ (مجمع الامثال)

''عالم کی بے قدری کرنے والوں میں سب سے آگے اُس کے گھر کے لوگ اور آس پاس والے ہی ہوتے ہیں۔''

اِسی ضمن میں مشہور تابعی اور مفسرِ قرآن عکرمہؒ کا قول بھی بہت بلیغ ہے:

اِنَّ اَزْهَدَ النَّاسِ فی عَالِمٍ اَهْلُهُ (سنن دارمی)

''عالم کو بے قدری اور حقارت کی وجہ سے چھوڑ دینے والوں میں سب سے زیادہ اُس کے اپنے خاندان والے ہوتے ہیں۔''

[سنن دارمی کی یہ روایت صحیح ہے، نمبر615،صفحہ 341، جلد1]

یہ کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے:

وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ آیَاتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ o

(سورہ الانعام: آیت4)

''لوگوں کا حال یہ ہے کہ اُن کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں جو اُن کے سامنے آئی ہو اور اُنھوں نے اُس سے منہ نہ موڑ لیا ہو۔ چنانچہ اب جو حق اُن کے پاس آیا تو اُسے بھی انھوں نے جھٹلا دیا۔''

یَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِئُوْنَ o

''افسوس ہے بندوں کے حال پر! جو رسول بھی اُن کے پاس آئے وہ اُن کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔'' (سورہ یٰسٓ:30)

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے کون نہیں واقف؟ سورہ یوسف میں آتا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ نے اپنا کرتہ مصر سے قافلے کے ذریعے اپنے والد یعقوب علیہ السلام کو بھیجا تو حضرت یعقوبؑ کی ناقدری کرنے والے رشتہ داروں نے اُن سے کہا:

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ۝ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ۝

(سورہ یوسف:94,95)

''جب یہ قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو اُن کے باپ نے (کنعان میں) کہا میں یوسف کی خوشبو محسوس کررہا ہوں، تم لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ میں بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں۔'' گھر کے لوگ بولے ''خدا کی قسم آپ ابھی تک اپنے اُسی پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں۔''

اِس آیت کی تفسیر میں سید ابوالاعلیٰ مودودی ''تفہیم القرآن'' (جلد۲) میں لکھتے ہیں:

''اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے خاندان میں حضرت یوسف کے سوا کوئی اپنے باپ کا قدر شناس نہ تھا اور حضرت یعقوب خود بھی اُن لوگوں کی ذہنی و اخلاقی پستی سے مایوس تھے۔ گھر کے چراغ کی روشنی باہر پھیل رہی تھی مگر خود گھر والے اندھیرے میں تھے اور اُن کی نگاہ میں وہ ایک خھبکر سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ خاندان والوں کی بے قدری سے تاریخ کی اکثر و بیشتر بڑی شخصیتوں کو سابقہ پیش آیا ہے۔''

کم و بیش یہی صورتحال ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے پتہ چلتی ہے۔ ابنِ حجر عسقلانی ؒ ''الاصابة فی تمییز الصحابة'' میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک واقعہ رشتہ داروں کی بے قدری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے رشتہ داروں کی اسی بے قدری کا قلق تھا:

> ''نعیم بن نحام رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو اُن کی قوم بنو عدی اُن کے پاس آئی، اُنھوں نے کہا: آپ ہمارے پاس ہی مقیم رہیں، اپنے دین پر عمل کرتے رہیں جو بھی آپ کو تکلیف دے گا ہم اُس سے آپ کی حفاظت کریں گے اور آپ اپنے وہ معاملات جاری رکھیں جو ہمارے فائدے کے لیے کرتے تھے۔ نعیمؓ بن نحام یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کا انتظام کیا کرتے تھے تو اُنھوں نے کافی عرصے تک ہجرت نہ کی۔ پھر کچھ مدت بعد ہجرت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعیمؓ بن نحام سے کہا: ''تمہاری قوم اور رشتہ دار تمہارے لیے بہتر تھے بہ نسبت میری قوم اور رشتہ دار میرے لیے، میری قوم اور رشتہ داروں نے مجھے نکالا، میرے قتل کا ارادہ کیا جبکہ تمہاری قوم نے تمہاری حفاظت کی۔'' یہ سُن کر نعیمؓ بن نحام نے کہا: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی قوم نے آپ کو اللہ کی اطاعت کی طرف نکالا اور اللہ کے دشمنوں سے جہاد کی طرف نکالا جب کہ میری قوم نے مجھے ہجرت اور اللہ کی اطاعت سے روکے رکھا۔''

(الاصابة فی تمیز الصحابة)

سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ مکی دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی اکثریت بنو ہاشم کی نہیں بلکہ خاندان سے باہر والوں کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی ترین رشتہ داروں میں سے جنھوں نے اسلام قبول کیا بھی تو وہ حضرات یا تو نوجوان تھے یعنی حضرت علی بن ابی طالبؓ، جعفر طیارؓ اور

زبیر بن عوامؓ جو کہ سب 20 سال سے کم کے تھے اور یا پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی خواتین تھیں مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت خدیجہؓ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کزن حضرت جعفر طیارؓ کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی حضرت لبابہ بنت الحارث (ام الفضلؓ) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب وغیرہ۔ ویسے بھی جہاں تک خواتین کا تعلق ہے تو خواتین چونکہ دماغ کے مقابلے میں دل سے زیادہ سوچتی ہیں (جس کی وجہ سے اُن کا مزاج بھی جذباتی ہوتا ہے) اِس لیے عورتوں کے لیے خدا کی وحدانیت اور حق بات کا ادراک کرنا آسان ہوتا ہے کیونکہ سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ وجدانی قوت (Intuitive Power) دل کے اندر دماغ سے کہیں زیادہ موجود ہوتی ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیے میری کتاب: انسانی دل اور قبول اسلام: ایک مذہبی، سائنسی تجزیہ۔ مطبوعہ مکتبہ خواتین میگزین، لاہور)

حضرت عباسؓ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں بڑے تھے، انھوں نے اسلام مکی دور میں قبول نہیں کیا اور بہت بعد میں کہیں جا کر اسلام قبول کیا۔ اسی طرح ابو طالب اور ابولہب نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہونے کے باوجود اسلام قبول نہیں کیا۔ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب نے البتہ مکی دور میں اسلام قبول کرلیا تھا لیکن شاید اُس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت حمزہؓ نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے بلکہ وہ آپؐ کے دودھ شریک بھائی اور ہم عمر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے جگری دوست تھے۔ رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی رشتہ دار تو اُنھوں نے اِس انسانی تاریخ کے سب کے عظیم گوہر نایاب کی قدر نہ پہچانی۔

اِس صورتحال کا حل ہمیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے یہی ملتا ہے کہ ہجرت کر لی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سال تک مکہ میں تبلیغ کی مگر جب بنو ہاشم کی اکثریت نے اسلام قبول نہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف

ہجرت کر لی۔ پھر یقیناً بنو ہاشم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد آپ کی کمی محسوس ہوئی ہوگی کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے۔

ہجرت کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک داعی حق کا پورا خاندان دین سے دور ہے یا بہت ماڈرن (Ultra-modern) ہے تو زیادہ عرصہ تک بے دین رشتہ داروں کے ساتھ میل جول اور اُن کی غیر اسلامی رسومات (non-Islamic functions and parties) میں بار بار شامل ہو کر اِس بات کا بہت امکان ہوتا ہے کہ وہ مذہبی شخص اگر خود بچ بھی گیا تو اُس کی بیوی یا اُس کے بچے اُن خاندان والوں کے بے دین ماحول کے زہر آلود اثرات سے بچ نہ سکیں گے۔ یہی تو وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کے سو آدمیوں کے قاتل کو ایک عالم نے یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اُس گنہگاروں کی بستی سے نکل کر نیک لوگوں (صالحین) کی بستی کی طرف ہجرت کر جائے تا کہ نیکی کے ماحول میں رہ کر اُس کو بھی نیک کام کرنے میں تقویت اور حوصلہ حاصل ہو۔ البتہ اِس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہجرت کا مقصد اپنی خاندانی ذمہ داریوں سے فرار نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہجرت کا مقصد نیک اور صالح لوگوں کے ماحول میں جا کر بسنا ہو۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہجرت صرف ایک ملک سے دوسرے ملک ہی نہیں کی جاتی، یہ ایک محلے سے دوسرے محلے یا ایک قصبے سے دوسرے قصبے میں بھی کی جا سکتی ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ یہ ہجرت صالحین کے ماحول کی طرف جانے کے لئے کی جائے۔

بعض ایسے نوجوان ہوتے ہیں جو مذہب کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اللہ اُنھیں ہدایت کی نعمت نصیب کرتا ہے جبکہ اُن کے باقی گھر والے یا خاندان والے مذہبی نہیں ہوتے۔ خاص طور پر ایسے نوجوانوں پہلے تو خود مذہب پر پورا کا پورا عمل کرنا چاہیے اور پھر اُس کے بعد اُنھیں اپنی بیوی کے انتخاب میں نہایت محتاط ہونا چاہیے کیونکہ اُن نوجوانوں کے خاندان والے تو پہلے ہی مذہب سے دور ہیں اور پھر اب اگر اُنھیں بیوی بھی ماڈرن اور بے دین گھرانے میں پروان چڑھی ہوئی مل گئی تو پھر ''یک نہ شد دو شد''۔ یعنی اب ماڈرن

اور بے دین بیوی ملنے کے بعد وہ مذہبی نوجوان نہ صرف اپنے خاندان میں اجنبی ہوگا بلکہ اپنے بیوی بچوں میں بھی اجنبی بن جائے گا جو بڑی ہی اذیت ناک صورتحال بن جاتی ہے۔ مذہب پر کاربند نوجوانوں کو اِس معاملے میں بہت ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ اگر بیوی کے انتخاب میں دین پر عمل (practicing Muslim wife) کو اُن نوجوانوں نے اول ترجیح (first priority) نہ دی تو چھوٹی سی غلطی بہت بڑا حادثہ ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ مذہبی نوجوانوں کو اپنی شریک سفر کے لیے مذہبی لڑکی کا انتخاب کرنا چاہیے۔

اگر آپ اپنا مذہب پر عمل اور اپنا طریقہ تبلیغ اللہ کے برگزیدہ رسولوں والا رکھیں گے تو آپ کے خاندان والوں کی اکثریت آپ سے خوش نہیں ہوگی کیونکہ عربی کا محاورہ ہے:

''اَلْحَقُّ ثَقِیْلٌ مُرٌّ وَالْبَاطِلُ خَفِیْفٌ حُلْوٌ''

(حق باتیں وزنی اور کڑوی ہوتی ہیں اور غیر اسلامی باتیں ہلکی اور میٹھی ہوتی ہیں)

اسی حقیقت کی غمازی مولانا محمد علی جوہر نے ایک شعر میں یوں کی تھی:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں خود کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

اگر ہم انبیاء کرام کی زندگیاں دیکھیں تو ہم نوٹ کریں گے کہ اُن سب نے سوسائٹی میں مروج برائیوں کے خلاف آواز اٹھائی۔ اسی وجہ سے کوئی نبی یا رسول بھی اپنے لوگوں میں اُس طرح مقبول نہیں ہوسکا کہ جیسے آج کے سیاستدان ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کے ہم جنس پرستی (homosexuality) کے گناہ کے خلاف سرزنش کرتے تو اُن کی قوم شاید اُنہیں اپنے کاندھوں پر اُٹھاتی اور اُن کے حق میں ''زندہ باد'' کے نعرے لگاتی کیونکہ ہم جنس پرستی کی یہ برائی قوم شعیب میں موجود ہی نہ تھی۔ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام نے الولاء والبراء کے عقیدے پر عمل کرتے ہوئے اور معذرت خواہانہ (apologetic)

اندازِ اختیار کیے بغیر اپنی قوم کو اُن میں مروّج برائی یعنی ناپ تول میں کمی اور کاروبار میں بددیانتی کے متعلق ٹوکا تو اُن کی قوم حضرت شعیب علیہ السلام کی دشمن بن گئی۔

اسی طرح اگر حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کو شراب خوری، غیبت یا جوا کھیلنے سے منع کرتے تو شاید وہ اپنی قوم میں بہت مقبول ہوتے کیونکہ یہ برائیاں اُن کی قوم میں عام طور پر نہیں پائی جاتی تھیں۔ لیکن چونکہ حضرت لوطؑ نے ہر ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے پرواہ ہو کر اپنی قوم کو اُن کے اصل جرم یعنی ہم جنس پرستی کی برائی پر ٹوکا تو پوری قوم اُن کی دشمن بن گئی۔ حضرت لوطؑ نے **امر بالمعروف ونھی عن المنکر** کا فریضہ بطریقِ احسن ادا فرمایا گو کہ لوگ اُن سے ناراض ہو گئے تھے:

؎ اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

المختصر یہ کہ عام طور پر ہوتا یہی ہے کہ اگر کسی شخص اور اُس کے بیوی بچوں کو اللہ تعالیٰ دعوتِ دین کی تبلیغ اور جدوجہد کرنے کی توفیق دیتا ہے تو ابتداء میں کم ہی رشتہ دار اُس کا والہانہ طور پر ساتھ دیتے ہیں۔ اکثر رشتہ دار اُس شخص کا اُس وقت ساتھ دینے کے لئے نمودار ہوتے ہیں جب اُس شخص کو اپنے رشتہ داروں سے باہر اُن سے بھی زیادہ جانثار لوگ مل چکے ہوتے ہیں۔ اُن رشتہ داروں کا حال طائف کے تاجر عفیف کندیؓ والا ہوتا ہے کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت آئی تو اُس ابتدائی دور میں عفیف کندیؓ سامان خریدنے کے لیے مکہ آئے اور حضرت عباسؓ کے گھر میں مہمان کے طور پر ٹھہرے۔ صبح کے وقت ایک دن کعبہ کی طرف نظر کی تو اُنھوں نے دیکھا کہ ایک قریشی جوان آیا ہے اور قبلہ رخ کھڑا ہو گیا ہے۔ پھر ایک لڑکا اُس کے داہنی طرف کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک عورت دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ نماز پڑھ کر یہ لوگ چلے گئے۔ تو عفیفؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ کوئی بڑا عظیم الشان واقعہ پیش آنے والا ہے۔ حضرت عباسؓ نے جواب دیا: ہاں، پھر کہا:

''جانتے ہو یہ نوجوان کون ہے؟ یہ میرا بھتیجا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، یہ دوسرا بھتیجا علی ؓ ہے اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیوی خدیجہؓ ہے۔ میرے بھتیجے کا خیال ہے کہ اُس کا مذہب پروردگارِ عالم کا مذہب ہے اور جو کچھ کرتا ہے اُس کے حکم سے کرتا ہے۔ جہاں تک مجھ کو علم ہے دنیا میں اِس خیال کے صرف یہی تین شخص ہیں۔''

(طبقاتِ ابن سعد، جلد ۸، صفحہ ۱۱، ۱۰)

[یہ واقعہ امام بغوی، ابویعلی اور نسائی نے بھی نقل کیا ہے۔ امام حاکم اور ابنِ خثیمہ نے اس واقعے کو مُستند قرار دیا ہے اور اِس کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے]

حضرت عباسؓ نے ''تین شخص'' اِس لیے کہا کیونکہ اُن کو غالباً حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اسلام لانے کا غالباً علم نہ تھا (کیونکہ حضرت عباسؓ نے خود بھی اسلام قبول نہیں کیا تھا)۔ بہر حال عفیف کندی ؓ نے یہ جاننے کے باوجود اُس وقت اسلام قبول نہ کیا۔ پھر 22 سال بعد جب فتح مکہ کے بعد طائف کے باقی لوگوں نے اسلام قبول کیا تو عفیفؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ پھر حجۃ الوداع کے موقع پر جب عفیف کندی ؓ مکہ آئے تو انھوں نے اُس دن پر افسوس کیا جب 22 سال پہلے انھوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ ؓ اور حضرت علی ؓ کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ عفیفؓ نے حسرت کے ساتھ افسوس کرتے ہوئے فرمایا:

''کاش اگر میں اس وقت اسلام قبول کر لیتا تو آج مسلمانوں کے حجۃ الوداع کے ایک لاکھ کے مجمع میں بلکہ پورے روئے زمین پر میں چوتھا شخص ہوتا جس نے اللہ کے دین کو سب سے پہلے قبول کیا ہوتا۔ کاش!''

''اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت''۔ صرف عفیف کندیؓ ہی نہیں بلکہ اُن کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کروانے والے عباسؓ بن عبدالمطلب کا اپنا بھی یہی حال تھا۔ باوجود یکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے لیکن اُنھوں نے بھی اُس وقت اسلام قبول نہ کیا بلکہ فتح مکہ سے صرف کچھ عرصہ پہلے اسلام قبول کیا اور مدینہ کی طرف ہجرت

کی۔حضرت عباس ؓ بھی عفیف کندی ؓ کی طرح رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر فوراً ایمان نہ لائے۔ دوسری طرف دیکھیں تو حضرت ابو ذر غفاری ؓ نظر آتے ہیں جو مکہ سے نہایت دور قبیلہ بنو غفار کے ایک فرد تھے (جس قبیلے کا کام ہی قافلوں کو لُوٹنا تھا)۔ وہ اتنے دور سے چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور مورخ طبری کے مطابق حضرت ابو ذر غفاری ؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے پانچویں شخص تھے۔

مسلمانوں کا جہاد سے فرار

جب طالبعلم امتحان کی تیاری کر رہے ہوتے ہیں تو امتحان سے پچھلی رات کو اُس سبق کو زیادہ یاد کرتے ہیں جو اُنھیں بھولا ہوا ہوتا ہے۔آج مسلمانوں کو جہاد کا سبق بھول چکا ہے اور اُنھیں یہ سبق دوبارہ سے یاد کروانے کی ضرورت ہے۔سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 24 میں اللہ تعالیٰ نے صاف کہہ دیا ہے کہ قرآن وسنت اور جہاد کے مقابلے میں برادری، خاندان، مال و دولت، تجارت اور مکانات کو اہمیت اور ترجیح دینے والے مسلمان، نہایت گنہگار (فاسق) ہیں اور اُن پر کسی بھی وقت اللہ کا فیصلہ (عذاب) نازل ہوسکتا ہے۔ اِس آئینے میں ہم اپنی تصویر دیکھ سکتے ہیں کہ ہماری ترجیحات (priorities) کیا ہیں؟ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> ''اے نبی! (مسلمانوں سے) کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے، تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اُس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ (عذاب) تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ نافرمان اور بدعمل (فاسق) لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔'' (سورہ التوبہ:24)

آج مسلمان بحیثیت قوم جس طرح پورے دنیا کے سامنے رُسوا ہو رہے ہیں اور ذلت ومسکنت اُن کا مقدر بنی ہوئی ہے جس کی سب سے بڑی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یہ ہے کہ مسلمان اُمت کے قلوب کو وھن کی بیماری لگ چکی ہے۔ حضرت ثوبانؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكِلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَّمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ، قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَّلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ فَقَالَ قَائِلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ ، قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَّةُ الْمَوْتِ (سنن ابوداؤد۔کتاب الملاحم، مسند احمد)

''ایسا ہوگا کہ دنیا کی قومیں تم سے لڑنے کے لیے اکٹھی ہوجائیں گی اور ایک دوسرے کو اِس طرح بلائیں گی جیسے بھوکے ایک دوسرے کو کھانے پر بلاتے ہیں۔کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''یارسول اللہ! کیا یہ اس لئے ہوگا کہ ہم مسلمان تعداد میں کم ہوں گے۔'' آپ نے جواب دیا: نہیں، مسلمان تو اُس وقت بہت ہوں گے مگر ایسے ہوجائیں گے جیسے دریا کے بہاؤ پر کوڑا کرکٹ (جو جس طرف بہہ رہا ہے، بہہ جائے گا)۔ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں وہن پیدا ہوجائے گا کسی نے پوچھا ''وہن'' کیا ہے؟ فرمایا: دنیا کا عشق اور راہ حق میں موت کو ناخوش جاننا اور اُس سے بھاگنا۔''

[مسند احمد (259/2) کی یہ حدیث صحیح ہے۔ شیخ البانی نے بھی اسے صحیح کا درجہ دیا ہے۔ امام الھیثمی "مجمع الزوائد" (287/7) میں لکھتے ہیں:
''اِس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے اور احمد کی سند مضبوط ہے۔'']

دنیا کی محبت میں ایسی چیزیں شامل ہیں مثلاً دولت، عہدہ، کاروبار، بنگلہ کوٹھی، اقتدار، دنیاوی رشتوں سے اللہ اور اُس کے رسولؐ سے بھی زیادہ محبت، وغیرہ۔ یہ دنیا کی محبت انسان کے دل کو بیمار کر کے رکھ دیتی ہے۔ایک دوسری حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَاذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا فِیْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَی الْمَالِ وَالشَّرْفِ لِدِيْنِهٖ (ترمذی)

''بھیڑوں کے غلے کو دو بھوکے بھیڑیے اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا دولت اور نمود ونمائش کی خواہش بندے کے دین ایمان کو نقصان پہنچاتی ہے۔''

[امام ترمذی نے اِس حدیث کو حسن صحیح کا درجہ دیا ہے۔ اسکے علاوہ عبداللہ بن مبارک نے "کتاب الزھد" (ص 181) میں بھی اِس حدیث کو روایت کیا ہے۔]

ہمارے دور کے مسلمان اپنے تنزل اور انحطاط کا سرتا پا ذمہ دار غیر مسلموں اور منافق مسلمان حکمرانوں کو ٹھہرا دیتے ہیں حالانکہ یہ مسئلے کا صرف ایک پہلو ہے۔ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اِس دنیا کو اللہ تعالیٰ کنٹرول کر رہا ہے۔اگر اللہ نے مسلمانوں پر ظالم حکمرانوں اور غیر مسلم اقوام کو مسلط کیا ہے تو ضرور کسی بات کی سزا ہے۔مسلمانوں نے جہاد کو چھوڑ کر دنیا کی اشیاء مثلاً جدید سے جدید تر الیکٹرانک اشیاء اور اعلیٰ سے اعلیٰ گھر اور گاڑیاں جمع کرنے کو اپنی زندگی کا مقصود بنایا۔زندگی سے محبت کا لازمی نتیجہ موت سے کراہت اور نفرت کی صورت میں نکلتا ہے۔آج یہ مسلمانوں کی دنیا سے محبت کا ہی نتیجہ ہے کہ صدقہ وخیرات تو

دور کی بات، زکوۃ جسے اسلام نے فرض قرار دیا ہے، وہ بھی مسلمان مشکل سے ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ زکوۃ کی ادائیگی ہم پر فرض ہے۔قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيم ٥ (سورہ التوبہ: 60)

''یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور اُن لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں، اور اُن کے لیے جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور فی سبیل اللہ اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے۔''

جن لوگوں کو زکوۃ ادا کرنی چاہیے، اُن لوگوں کی یہ لسٹ کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ اللہ رب العزت نے ہمیں دی ہے۔اِس آیت میں ''**فی سبیل اللہ**'' کا جو ذکر ہوا ہے اُس سے مراد اسلامی سرحدوں اور طاغوت کے خلاف جہاد کرنے والے مجاہدین ہیں۔مالکی فقیہ قاضی ابو بکر ابن العربی اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں: ''امام مالک نے فرمایا ہے کہ ''اللہ کی راہ'' سے مراد بہت سے مواقع ہوتے ہیں لیکن اِس آیت میں ''فی سبیل اللہ'' سے مراد ''اللہ کے راستے میں قتال اور جہاد'' ہے۔آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے قریبی ترین بیوہ، مسکین اور یتیم رشتہ داروں تک کو زکوۃ نہیں دیتے تو وہ مجاہدین کو کیا زکوۃ دیں گے حالانکہ مجاہدین اور بالخصوص شہداء کے بیوی بچے تو زکوۃ کے مستحقین میں سے ہیں کیونکہ اُن شہداء نے اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت اور ہم مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہوئے اللہ کے راستے

میں جان دی۔اس لئے اُن کی فیملی خصوصی مالی مدد اور عزت افزائی کی مستحق ہوتی ہے۔جب غزوۂ موتہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کزن حضرت جعفر بن ابی طالبؓ شہید ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات سے فرمایا: ''جعفر کے بیوی بچوں کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ اُن کے گھر والوں پر بڑا صدمہ ٹوٹا ہے۔'' (ترمذی۔ابوداؤد)

کیا ''نفس کا جہاد'' سب سے ''بڑا جہاد'' (جہادِ اکبر) ہے؟

اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ

دورِ حاضر کے بعض روشن خیال مفکر اور نادان واعظ کہتے ہیں کہ جہاد حکومت کا کام ہے، آج جہاد کی شرطیں پوری نہیں ہیں، ابھی جہاد کا وقت نہیں آیا اور جہاد کی فلاں فلاں قسمیں ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہ مفکرین ایسے لوگ ہیں کہ جن کے متعلق قرآن کی وہ آیت صادق آتی ہے:

تَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ (سورة الكهف: 18)

''تم اُنھیں دیکھ کر یہ سمجھتے ہو کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں''۔

چنانچہ موجودہ زمانے میں دجالی میڈیا پر جہادِ اکبر اور جہادِ اصغر کی بحث پیش کی جاتی ہے اور اِس بات پر کافی زور دیا جاتا ہے کہ اپنے ''نفس کا جہاد'' دراصل سب سے بڑا جہاد ہے اور اُس سے اپنے ''نفس کا تزکیہ'' مراد لیا جاتا ہے۔اِس مقصد کے لئے یہ جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے: **رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ قَالُوا وَمَا الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ؟ قَالَ جِهَادُ الْقَلْبِ** یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہم چھوٹے سے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آ گئے۔'' صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا ''یا رسول اللہ، جہادِ اکبر کونسا جہاد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دل (نفس) کا جہاد''۔گویا کفار سے

لڑنا چھوٹا جہاد ہے اور نفس کا جہاد بڑا جہاد ہے۔ اور اِس جھوٹے قصے کو حدیث کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی تا کہ اس کی برکت سے مسلمانوں کے جذبات کا رُخ اسلام کے دشمنوں کی بجائے اپنی جانوں ہی کی طرف مڑ جائے اور وہ طبلہ و دیگر آلاتِ موسیقی کی تھاپ و ساز پر تالیاں بجا کر اور قوالوں بلکہ (قوالنوں) کے شریعتِ اسلامی کے منافی کلام پر جھوم جھوم کر داد دیتے ہوئے عشق و مستی میں اتنے مست و مخمور ہوں کہ اپنی حقیقت، حیثیت و مقام کو بھول کر ''صوفی ڈانس'' میں مشغول ہو جائیں اور اُن کو اصل فریضہ جہاد و قتال سرے سے یاد ہی نہ رہے کہ جس کے لیے قرآن مجید کی تقریباً پانچ سو سے زیادہ آیات مبارکہ موجود ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اِس ''جہاد بالنفس'' کی غلط فہمی کے کچھ دیندار حضرات بھی شکار ہو جاتے ہیں، کاش کہ اِن نادانوں کو کلمہ ''لا الــــہ الا اللہ'' کا وہ مفہوم معلوم ہوتا کہ جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف اور اُحد کے معرکوں میں اپنے خون کا عطیہ دے کر سمجھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 27 غزوات میں خود شریک ہو کر اُمت کو سمجھایا۔ اب ہم اِس جھوٹی حدیث کے متعلق کچھ بحث کرتے ہیں:

(1) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''موضوعات کبیر'' میں اِس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرمایا کہ لوگوں کے ہاں یہ حدیث زبانوں پر چڑھی ہوئی ہے حالانکہ یہ ابراھیم بن عبلہ نامی ایک شخص کا قول ہے اور یہ حدیث نہیں ہے۔ تنظیم الاشتات شرح مشکوۃ میں اِس حدیث کے متعلق بحوالہ تعلق الصبیح اور تفسیر بیضاوی لکھا ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سرے سے کوئی اصل ہی نہیں ہے۔ علامہ ابن القیم نے فرمایا ہے کہ اِس قول کو حدیث کہنا انتہائی شرمناک بات ہے۔ اِس جھوٹی روایت کو حدیثِ نبوی کہنے والے عموماً وہ بزدل مسلمان اور منافقین ہوتے ہیں جو اللہ کے راستے میں جان دینے سے سخت ڈرتے ہیں۔ قرآن نے اِس بارے میں بالکل واضح انداز میں بیان کر دیا ہے:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ﴾ (سورہ البقرۃ: 216)

"تم پر قتال فرض کیا گیا ہے چاہے وہ تمہیں نا گوار ہو۔"

اور جہاد کی اہمیت کے متعلق رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ جو مسلمان بھی اِس حالت میں مرا کہ نہ تو اُس نے کبھی جہاد کیا اور نہ کبھی جہاد کرنے کا ارادہ کیا تو اُس کی موت منافقت کی حالت میں ہوئی۔" (صحیح مسلم، جلد۳، صفحہ 1057، نمبر 4696)

(2) شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے **فتاویٰ عزیزیہ** میں لکھا ہے کہ "میں نے اِس قصے کو کسی حدیث کی کتاب میں نہیں دیکھا ہے، یہ کلام صوفیاء کا تو ہو سکتا ہے مگر حدیث ہرگز نہیں ہے۔"

(3) **مشارع الاشواق الی مصارع العشاق** میں لکھا ہوا ہے کہ "دشمنانِ اسلام نے جب دیکھا کہ مسلمان کے پاس اپنے دفاع اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد جیسی عظیم بنیادی قوت موجود ہے اور جب تک جہاد جاری ہے جو انشاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا (مسلم شریف) اور اِس کے خلاف دشمنانِ اسلام کے پیر جم نہیں سکتے تو انہوں نے جہاد کا زور توڑنے کے لیے اور اُس کو کمزور کرنے کے لیے کئی سال کے غور و خوض، زرِ کثیر کے صرف اور منافقین کے ساتھ گٹھ جوڑ کے بعد اِس مشکل کا یہ حل ڈھونڈھ لیا کہ مسلمان کو آرام طلبی میں ڈال کر جہاد فی سبیل اللہ کے راستے سے ہٹا لیا جائے اور اُس کے لیے اُنہوں نے یہ پُر فریب اور مہذب طریق کار اختیار کیا کہ انہوں نے جہاد کو اصغر و اکبر میں تقسیم کر دیا اور یہ سمجھا دیا کہ کفر سے جہاد کرنا چھوٹا جہاد ہے اور نفس کے ساتھ دھینگا مشتی کرنا بڑا جہاد ہے۔ اِس مقصد کے حصول کے لیے اُن دشمنانِ اسلام نے احادیث گھڑ لیں اور اُن کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دی کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے مسلمان اُن کو ضرور قبول کر لیں گے، چنانچہ انہوں نے اسی طرح یہ حدیث بھی گھڑی جو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح جھوٹ ہے اور احادیث کی معتبر کتابوں میں یہ حدیث سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔"

چند برس پہلے تک غیر مسلم مصنفین اور مستشرقین اِس جھوٹی روایت یعنی ''نفس کا جہاد جہادِ اکبر ہے'' کو مسلمانوں میں بڑے زور و شور سے عام کرتے تھے تا کہ غیر مسلم غاصبوں اور صلیبی افواج کے خلاف مسلمان جہاد نہ کریں۔ پھر اُنہی عیسائی مفکرین کی اندھی تقلید کرتے ہوئے ہمارے ہاں کے روشن خیال اور سیکولر مفکرین، صحافی حضرات اور نیوز اینکر پرسن (News anchor persons) وغیرہ نے اِس جھوٹی روایت کو ٹی وی پر عام کیا۔ لیکن اب مغربی ممالک کے بعض حقیقت پسند عیسائی مفکرین پر اِس روایت کا جھوٹ کھلا ہے تو وہ اِس جھوٹی روایت کو ''حدیث نبوی'' کہنے کی غلطی نہیں کر رہے۔ یعنی اب ہمارے روشن خیال طبقے کے لیے اُن کے مغربی آقا کی طرف سے اِس جھوٹی روایت کے جھوٹا ہونے کا اقرار آ گیا ہے۔ مثلاً شیخ اسامہ بن لادن کی زندگی پر لکھی جانے والی مشہور کتاب ''اُسامہ بن لادن'' (مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2011ء نیویارک) کا مصنف اور مغربی مورخ مائیکل شوئر (Michael Scheuer) اپنی کتاب میں اِس جھوٹی روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"Jihad is a primarily military enterprise, because that is the way it is presented in the Koran and the sunnah. Some U.S. and Western government officials, journalists, and historians — abetted by the clerics of Arab regimes assigned to mislead them—labor hard to portray jihad as a vigorous but peaceful endeavor through which the individual Muslim struggles first to control himself and then to master his baser tastes and inclinations. These writers often cite a hadith claiming the Prophet spoke of a "greater jihad" and a "lesser jihad," considering the "greater" to be the individual struggle just described, and the "lesser" to involve specific military activity. This is an indefensible position. When mentioned in the Koran—which is God's word spoken to Gabriel, who repeats it to Muhammad—jihad is almost invariably used in a martial sense. Moreover, the hadith prized by the jihad-is-personal-struggle advocates is so poorly sourced".

''جہاد بنیادی طور پر عسکری اور جنگی عمل ہے کیونکہ قرآن اور حدیث میں اسی معنوں میں جہاد کو بیان کیا گیا ہے۔ بعض امریکی اور مغربی ممالک کے حکومتی عہدیداروں، صحافی حضرات اور مؤرخین کے سامنے عرب حکومتوں کے درباری علماء نے اپنی اسلام کی غلط تشریحات سے اسلام کی غلط تصویر پیش کی۔ چنانچہ وہ مغربی مفکرین اِس بات کو ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ جہاد دراصل پُرامن جدوجہد کو کہتے ہیں۔ ایسے مغربی مفکرین اکثر ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے رسولؐ نے ''جہادِ اکبر'' (بڑا جہاد) اور ''جہادِ اصغر'' (چھوٹا جہاد) کی بات کی اور بڑے جہاد سے اپنے نفس کا تزکیہ مراد لیا جبکہ چھوٹے جہاد سے جنگ کرنا مراد لیا۔ یہ انتہائی کمزور دعویٰ ہے۔ قرآن خدا کا کلام ہے جو کہ جبرائیلؑ نے محمدؐ پر وحی کیا، اِس قرآن میں جب بھی جہاد کا ذکر آیا ہے اُس کے معنی ''جنگ کرنے'' کے ہیں۔ مزید برآں، ''جہاد اصل میں اپنے نفس کا ہوتا ہے'' کا نعرہ بلند کرنے والے جس حدیث کو پیش کرتے ہیں اُس کی سند نہایت کمزور ہے۔''

اللہ تعالیٰ جہاد سے بھاگنے والے دانشوروں کی ایسی جھوٹی تاویلوں کے شر سے پوری امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔ دراصل یہ لوگ کافروں اور صلیبیوں کی طاقت سے مرعوب ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے جان دینا نہیں چاہتے۔ بزدلی بڑی خطرناک چیز ہے۔ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین جہاد کے لئے نہیں نکلے تھے۔ اُن منافقین کے بارے میں امام رازیؒ اپنی ''تفسیر کبیر'' میں لکھتے ہیں:

فکانوا کالآئسین من الفوز بالغنیمة بسبب انهم کانوا یستعظمون غزوة الروم فلهذا السبب تخلفوا۔ (تفسیر کبیر)

(یعنی یہ لوگ رومیوں کی طاقت کو بہت بڑا (ناقابل تسخیر) سمجھتے تھے اور اُن کے مقابلے میں کامیابی سے گویا بالکل مایوس تھے ۔)

ایک اور جگہ امام رازیؒ لکھتے ہیں:

والمقصود من هذا الكلام تمييز المومنين من المنافقين فان المومنين متٰى امروا بالخروج الى الجهاد تبادروا اليه ولم يتوقفوا والمنافقون يتوقفون ويتبلدون ويأتون بالعلل والاعذار (تفسیر کبیر)

(اِس بحث کا مقصود ایک مسلمان اور منافق میں فرق بیان کرنا ہے کہ مسلمان تو جہاد کا نام اور اعلان سن کر جہاد کے لئے دوڑ پڑتے ہیں جبکہ منافق طرح طرح کے بہانے تراشنے لگتے ہیں کہ کس طرح سے جہاد سے بچ جائیں ۔)

چنانچہ معلوم ہوگیا کہ جہاد کے خلاف جو لوگ طرح طرح کے دلائل لاتے ہیں، وہ حقیقت میں دلائل نہیں ہوتے صرف شیطانی وسوسے اور انسانی نفس کے بہانے ہوتے ہیں ۔ اگر جہاد اہم نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب وحبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد میں زخمی نہ ہونے دیتا۔ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود تلوار لے کر میدانِ جہاد میں لڑنے کیلئے بار بار تشریف لے گئے تو پھر آخر کس بات کی گنجائش رہ جاتی ہے؟

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ o (سورہ المرسلات: 50)

(اب اِس کے بعد یہ لوگ آخر کس بات پر ایمان لائیں گے؟)

اللہ کی مدد کا مستحق بننے کے لئے کرنے کے اصل کام

ہم نے پچھلی سُطور میں اِس بات پر بحث کی تھی کہ آخر اللہ کی مدد مسلمانوں کو کیوں نہیں آرہی؟ اب اگلے صفحات میں ہم اِس بات پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالیں گے کہ اللہ کی مدد کا مستحق بننے کے لئے کیا کرنا ضروری ہے اور کون کون سی باتیں اہمیت کی حامل ہیں؟

چھوٹے اور بڑے گناہوں سے بچنے کی اہمیت

ذنوب ،عربی زبان میں بڑے گناہوں کو کہتے ہیں۔ اِن میں شرک، جنت و دوزخ کا انکار، زنا اور اُس کی طرف لے جانے والے کام مثلاً انڈین فلموں اور میوزک کا کاروبار کرنا یا اُس کی کمائی کھانا یا ایسے سٹور پر وقت گزارنے کے لئے بیٹھنا، قتل، بینک میں اپنے پیسے رکھوا کر اُن کا سود لینا یا کسی کو پیسے اُدھار دیکر اُن کا سود لینا، رشوت، اپنے باپ کی وفات کے بعد اپنی بہنوں یا بھائیوں کو باپ کی وراثت میں سے حصہ نہ دینا، اپنے ماتحت کام کرنے والوں کا استحصال، سماجی ظلم، فرض نمازیں چھوڑنا، اپنے پیسے پر زکاۃ ہر سال ادا نہ کرنا، قرآن وسنت کی تعلیمات کا مذاق اڑانا (بعض لوگ اپنے روشن خیال دوستوں کی مجلس میں بیٹھ کر یہ کام کرتے ہیں)، والدین کی نافرمانی وغیرہ شامل ہیں۔قرآن ہمیں بار بار بتاتا ہے کہ انسانوں کا بڑے

بڑے گناہوں میں ملوث ہونا ہی قوموں کی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔ مثلاً:

﴿ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ ﴾ (سورہ الانعام:6)

''آخر کار ہم نے اُن کے گناہوں کی پاداش میں اُنہیں تباہ کر دیا۔''

﴿ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ ﴾ (سورہ العنکبوت:40)

''آخر کار ہر ایک کو ہم نے اُس کے گناہ کی پاداش میں پکڑا۔''

فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا○

(سورہ الشمس:14)

''ثمود نے اُسے جھٹلایا اور اللہ کی اونٹنی کو مار ڈالا آخر کار! اُن کے گناہ کی پاداش میں اُن کے رب نے اُن پر ایسی آفت توڑی کہ ایک ساتھ سب کو پیوندِ خاک کر دیا۔''

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بآيَاتِ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَونَ وَكُلٌّ كَانُوا ظَالِمِينَ○

(سورہ الانفال:54)

''آلِ فرعون اور اُن سے پہلے آنے والی قوموں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا، وہ اسی ضابطے کے مطابق تھا۔ اُنہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا، تب ہم نے اُن کے گناہوں کی پاداش میں اُنہیں ہلاک کیا۔ اور آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔ یہ سب ظالم لوگ تھے''۔

یہ بات انفرادی سطح پر بھی دیکھی جا سکتی ہے اور اجتماعی سطح پر بھی۔ مثلاً سوسائٹی میں فحاشی اور عریانی پھیلانا ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ قرآن میں اللہ تعالٰی کی واضح تنبیہہ (warning) موجود ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ٥ (سورہ النور : 19)

''جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں شرمناک برائیوں کا چرچا پھیلے، اُن کے لیے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہوگا اور آخرت میں بھی۔''

اگر ہم گلوکاروں، فنکاروں، آرٹسٹوں اور مجسمہ سازوں کی زندگیوں کی طرف دیکھیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ اُن کی زندگیاں ہمارے اندازے سے بھی زیادہ کرپٹ ہیں کیونکہ ایسے پیشوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ان میں سے اکثر شراب پیتے ہیں، منشیات کا استعمال کرتے ہیں، ان کی خانگی زندگیاں تباہ ہوچکی ہوتی ہیں۔اُن میں سے کئی فن کی خدمت کرنے والے اپنے اندر گناہوں کی پیدا کی ہوئی بے چینی کی وجہ سے شراب پی پی کر یا کئی دوسرے طریقے سے خودکشی کر لیتے ہیں اور اپنے جسم کے اندر کے احساس گناہ کو قیامت تک کے لیے گہری نیند سلا دیتے ہیں۔

مغرب کے آرٹسٹوں میں اس فن کے اماموں پر نظر ڈالیں تو ان میں سے ایک مائیکل انجیلو (Michael Angelo) (1475-1564ء) ہے۔وہ ابتدائی زندگی میں مذہبی عیسائی تھا اور اُس نے عیسائی مذہب کے لیے مشہور ترین مجسمے اور تصاویر بنائیں لیکن زندگی کے آخری دور میں وہ مذہب بیزار اور خدا کے وجود کا ہی منکر ہو گیا تھا، جس کا اندازہ اُس کی قبر کے کتبے سے بھی ہو جاتا ہے۔مونا لیزا کی تصویر کے خالق لیونارڈو داونشی (Leonardo Da Vinci) کی کرپٹ زندگی کا کیا کہیں کہ لیونارڈو خود ولدالزنا (illegitimate child) تھا۔ بیٹھوون (Beethoven) (1770-1827ء) جسے مغرب کی تاریخ کا سب سے بڑا موسیقار کہا جاتا ہے اُس کی بداخلاقی اور تکبر سے عوام و خواص سبھی تنگ تھے۔اُسکی ازدواجی زندگی بھی ناکام رہی اور اُس نے خودکشی کی ناکام کوششیں کیں۔راک اینڈ رول کی دنیا کا ایلوس

پریسلے (Elvis Presley)اور ہالی وڈ کی مارلین منرو(Marilyn Monroe) کی بے چین زندگیوں کا اندازہ اِس سے ہوسکتا ہے کہ ایک نے شراب پی پی کر اپنی زندگی ختم کرڈالی تو دوسری نے خواب آور گولیاں کھا کر۔ آج ہم مائیکل جیکسن (Michael Jackson) اور میڈونا (Madonna) کی اخلاقی لحاظ سے گری ہوئی زندگیوں سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ کس طرح نشہ کرکر کے مائیکل جیکسن کو نشہ آور اشیاء کے بغیر نیند ہی نہیں آتی تھی اور یہی عادت بالآخر اُس کی موت کا باعث بنی۔ ابھی حال ہی میں امریکہ کی ہالی وڈ کی مشہور ترین گلوکارہ وٹنی ہیوسٹن (Whitney Houston) کی لاش لاس اینجلس کے ایک ہوٹل کے رُوم میں باتھ ٹب میں پائی گئی۔ اُس کی موت کا سبب منشیات کا استعمال بتایا گیا ہے۔ پاکستان کے گلوکاروں اور فنکاروں کی زندگیاں بھی اوپر بیان کیے گئے لوگوں کی زندگیوں سے مختلف نہیں اور اکثر کے دردناک انجام سے بھی ہم واقف ہیں۔ یہ سب کیوں ہے؟ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ النور(آیت 19) میں فرما دیا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے صرف آخرت میں ہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کا فیصلہ ہے:

فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُوْنَ ○ (سورہ الاحقاف:35)

''اب کیا فاسق (نافرمان اور بدعمل لوگوں) کے سوا، اور کوئی ہلاک کیا جائے گا؟''

قرآن نے اِن میڈیا کی خدمت کرنے والوں (media celebrities) اور حکمرانوں، سیاست دانوں، اُمراء اور دولت مندوں وغیرہ کے لیے ''مترفین'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قارون کا شمار بھی اِنہی مترفین میں ہوتا ہے۔ عوام ہمیشہ اپنا دماغ استعمال کرنے کی بجائے اِن ہی خوشحال لوگوں (مترفین) کے اندازِ زندگی اور فیشن کو دیکھ کر اپنی زندگی کا معیار(fashion trends)مقرر کرتے ہیں۔ بالآخر خوشحال لوگوں (مترفین) کی بدمستیاں رنگ لاتی ہیں اور اُن مترفین کی احکامِ الٰہی سے بغاوت، پوری پوری

قوموں کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے:

وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ○ (سورہ بنی اسرائیل: 16)

''جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اُس کے خوشحال لوگوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں، اور وہ اُس حکم میں نافرمانیاں (فسق) کرنے لگتے ہیں، تب عذاب کا فیصلہ اُس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے، اور ہم اُس بستی کو برباد کر کے رکھ دیتے ہیں''۔

توبہ و استغفار اور اتباعِ سنت کا اہتمام کرنے کی اہمیت

اللہ سے توبہ و استغفار کرنے سے سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ○

(الزمر:53)

''کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا، یقیناً! اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ تو غفور اور رحیم ہے۔''

اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر کتنا مہربان ہے؟ اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ ''اللہ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا''۔ وہ تمام گناہ کبیرہ اور صغیرہ معاف کرتا ہے، وہ غفور ہے اور رحیم ہے، بندے کے بس ہاتھ اٹھانے، توبہ کرنے، استغفار کرنے، معافی مانگنے اور اعتراف کرنے کی دیر ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق توبہ کے دروازے اُس وقت تک کھلے ہیں جب تک موت کی سختی شروع نہیں ہو جاتی۔ جیسا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ (ترمذی)

''اللہ تعالیٰ اُس وقت تک اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک اُس کی جان حلق تک نہ آ پہنچے''۔

[امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں اِس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے۔]

اگر کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے لیکن پھر سچے دل سے توبہ کر کے اپنے کردار کی اصلاح کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا اُس سے وعدہ ہے کہ اس کی توبہ کو قبول کرے گا اور اس پر اپنا فضل فرماتے ہوئے اسے معاف کر دے گا۔ ہماری تاریخ ایسی روشن مثالوں سے بھری ہے جس میں بہت سے لوگوں نے اللہ کے حضور سچی توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ''توبہ'' سے زیادہ پسندیدہ عمل اور کوئی نہیں ہے۔ وہ ان سے محبت رکھتا ہے جو توبہ کرتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق سے محبت ہی ہے کہ وہ انہیں آزماتا ہے تا کہ جب وہ گناہ کے بعد اُس کی طرف پلٹیں تو وہ اُن پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے۔ قرآن پاک میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو توبہ کی نصیحت کی ہے۔

اصلاحِ نفس کے لئے توبہ کرنا لازمی ہے لیکن توبہ کو سچا ہونا چاہیے۔ سچی توبہ کی شرائط یہ ہیں کہ بندہ اپنے آپ کو گناہ سے آئندہ کے لیے بالکل علیحدہ کر لے۔ ہر ممکن کوشش کرے کہ گناہ کی طرف دوبارہ نہ جائے، اپنے ماضی کے گناہوں پر اُسے پچھتاوا ہو اور اگر اُس نے دوسروں کے حقوق غصب کیے ہیں تو جلد از جلد اُن کو اُن کا حق واپس لوٹائے۔ یہی توبہ دراصل توبۃ النصوح کہلاتی ہے کیونکہ لغت عربی میں نصح کے معنی ہیں ''خلوص اور خیر خواہی'' یعنی بندہ ایسی خالص توبہ کرے جس میں اخلاص ہو، کسی قسم کی ریا کاری نہ ہو اور وہ توبہ کر کے ایسی اسلامی زندگی بسر کرنا شروع کر دے کہ اُس کی توبہ دوسرے لوگوں

کے لیے نصیحت اور خیر خواہی کا موجب بن جائے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب نے "توبة نصوح" کی وضاحت کرتے ہوئے بیان فرمایا:

التوبة النصوح ان يتوب من الذنب ثم لا يعود فيه وكذالك لا يريد ان يعود فيه (ابن جریر)

"توبۃ نصوح یہ ہے کہ توبہ کے بعد آدمی گناہ کا نہ تو اعادہ کرے اور نہ ہی اُس کے ارتکاب کا ارادہ کرے۔"

حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ ایک بدو کو جلدی جلدی توبہ واستغفار کے الفاظ زبان سے ادا کرتے سنا تو فرمایا یہ **تَوبةُ الكذّابين** (جھوٹے لوگوں کی توبہ) ہے۔ اُس نے پوچھا پھر "صحیح توبہ" کیا ہے؟ فرمایا:

"اُس کے ساتھ چھ چیزیں ہونی چاہیں (۱) جو کچھ ہو چکا ہے اُس پر شرمندگی ہو۔ (۲) اپنے جن فرائض سے غفلت برتی ہو اُن کو ادا کر۔ (۳) جس کا حق مارا ہو اُس کو واپس کر۔ (۴) جس کو تکلیف پہنچائی ہو اُس سے معافی مانگ۔ (۵) آئندہ کے لیے عزم کر لے کہ اِس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا۔ اور (۶) اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں گُھلا دے جس طرح تُو نے اب تک اُسے معصیت اور گناہ کا خوگر بنائے رکھا ہے۔" (تفسیر کشاف)

اسی توبہ کے متعلق قرآن میں سورۃ التحریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ o

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے توبہ کرو، خالص توبہ، بعید نہیں کہ اللہ تمہاری برائیاں تم سے دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرما دے جن کے نیچے نہریں بہ

رہی ہوں گی۔"   (سورۃ التحریم)

اِستغفار اور توبہ کا فائدہ صرف افراد کو ہی نہیں بلکہ قوموں کو بھی ہوتا ہے۔ اللہ کی مدد حاصل کرنے کے لئے قوم کی اجتماعی توبہ سے زیادہ کارگر نسخہ کوئی نہیں۔ اِستغفار کرنے کی برکت سے قوموں پر سے دنیاوی عذاب ٹل جاتا ہے۔ سنن ترمذی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیَّ اَمَانَیْنِ لِاُ مَّتِی: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰہُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾، فَاِذَا مَضَیْتُ، تَرَکْتُ فِیْهِمُ الاِ سْتِغْفَارَ اِلٰی یَومَ الْقِیَامَۃِ   (ترمذی)

"اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری امت کے لیے دو طرح کی سلامتی نازل کی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الانفال کی آیت نمبر 33 پڑھی جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

1۔ وَمَا كَانَ اللّٰہُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ

"جب تک، اِن کے درمیان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں، اللہ کے لیے سزاوار نہیں کہ وہ آپ کی قوم پر (پچھلی قوموں کی طرح) عذاب نازل کرے۔"

2۔ وَمَا كَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ

"اللہ کے لیے سزاوار نہیں کہ وہ اُن پر عذاب مسلط کرے جب تک کہ وہ اِستغفار کرتے رہیں"

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب میں چلا جاؤں گا (اور پہلی سلامتی اٹھ جائے گی) تو امت کے لیے، میں نے اُن کے درمیان، استغفار (دوسری سلامتی) کو چھوڑ دیا ہے، جو قیامت تک باقی رہے گی۔"   (جامع ترمذی)

مزید برآں، قوموں کے عروج و زوال میں بھی استغفار کا بڑا حصہ ہے۔ قرآن کے

مطابق استغفار سے قوموں کو مزید مہلت مل جاتی ہے۔ اگر گنہگار قوم، اللہ کے حضور استغفار کرے، تو اسے مزید کچھ عرصہ کی مہلت مل جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اعلان کر دیا ہے:

وَأَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوْا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِىْ فَضْلٍ فَضْلَهُ ۝ (سورہ ہود: 3)

''اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اُس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک مدت خاص تک تم کو اچھا سامانِ زندگی دے گا اور ہر صاحبِ فضل کو اُس کا فضل عطا کرے گا۔''

تو بہ و استغفار کرنے کے علاوہ دوسری چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اہتمام کرنا ہے کیونکہ اتباعِ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نتیجے میں ہمیں دو فوائد حاصل ہوں گے: پہلا فائدہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرنے لگے گا اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے گا، جیسا کہ قرآن ہمیں بتاتا ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيم ۝ (سورہ آلِ عمران)

''اے نبیؐ، لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو! اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا رحیم ہے۔''

لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور بُرے کاموں سے روکنے کی اہمیت

امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے مراد ہے لوگوں کو نیکی کا حکم دینا اور بُرے کاموں سے روکنا۔ ''معروف'' کی جمع ''معروفات'' ہے۔ جس سے مراد وہ تمام اچھے کام یا عمل ہیں جن کا اسلام میں حکم دیا گیا ہے جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، رزقِ حلال، حقوق والدین، خواتین کا نامحرم مردوں سے پردہ کرنا، مردوں کا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، مردوں کا داڑھی رکھنا، صدقہ خیرات کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

منکرات سے مراد، وہ تمام چیزیں ہیں، جو انسانی فطرت سے بالکل متصادم اور جنھیں شریعتِ محمدیؐ میں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے: شرک، بینک سے سود لینا، شراب نوشی، لوگوں کی جائیداد پر قبضہ کرنا، لوگوں کو وراثت میں سے اُن کا حصہ نہ دینا، رشوت، زنا، بے حیائی، بدعات، رزقِ حرام، والدین کی نافرمانی، خواتین کا گھر سے بے پردہ نکلنا، وغیرہ وغیرہ۔

اِس آخری اُمت کو قرآنِ مجید میں ''خیر اُمت'' کا خطاب اِسی لئے دیا گیا ہے کہ یہ معروفات کا حکم دیتی ہے اور منکرات سے روکتی ہے۔ (سورہ آلِ عمران: 110) اِس کے برعکس، قوم بنی اسرائیل کو قیادت کے منصب سے معزول اِس لئے کر دیا گیا تھا کیونکہ اُن کے جرائم میں سے ایک جرم یہ تھا کہ ان کے عوام، گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں اور حرام مال کھانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور اُن کے علماء اِس سے انہیں منع نہیں کرتے تھے۔ (سورہ المائدۃ : آیات 62,63) اسی طرح فرعون کے ساتھ الِ فرعون بھی اس لیے ہلاک کیے گئے کہ دونوں مجرم تھے۔ فرعون نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا اور قوم نے اُس کے باوجود فرعون کی بات مان لی اور فاسق و نافرمان لوگوں میں شامل ہوگئی۔ قرآن کہتا ہے:

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ o (سورہ الزخرف: 54)

''فرعون نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور اُنھوں نے اُس کی اطاعت کی، درحقیقت وہ تھے ہی فاسق لوگ۔''

دراصل قومِ فرعون کا جرم یہی تھا کہ اُس نے فرعون کے اوامر و احکامات کی پیروی کی حالانکہ فرعون کے احکامات، ہدایت اور راستی پر ہرگز مبنی نہیں تھے (ھود: 96)۔ قرآن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ، امر بالمعروف کرنے (یعنی نیکی کا حکم دینے) اور نھی عن المنکر کرنے (یعنی لوگوں کو برائیوں سے روکنے) والوں کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْءِ وَأَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ٥

(سورہ الاعراف: 165)

'' آخر کار! جب وہ اُن ہدایات کو بالکل ہی فراموش کر گئے جو اُنہیں یاد کرائی گئی تھیں تو ہم نے اُن لوگوں کو بچالیا جو برائی سے روکتے تھے اور باقی سب لوگوں کو جو ظالم تھے، اُن کی نافرمانیوں پر سخت عذاب میں پکڑ لیا۔''

اِس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ نصیحت کو بھلا دینے والی اقوام کے لوگوں کو اُن کے اِس ظلم کی بنا پر سخت عذاب میں جکڑ لیا جاتا ہے۔ ہاں البتہ صرف اُن لوگوں کو بچالیا جاتا ہے جو ظالم اور فاسق لوگوں کو برے کاموں سے روکتے تھے، یعنی نھی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اِصلاحی قوتوں کی موجودگی کی برکت سے اکثر اوقات قوموں کو مکمل طور پر ہلاک نہیں کیا جاتا، ہاں البتہ چھوٹے موٹے عذاب آتے رہیں گے۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ٥

(سورہ ھود: 117)

’’تمہارا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کردے، حالانکہ اُن کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں‘‘

یعنی جب تک کسی معاشرے میں اصلاحی قوتیں (مُصْلِحِیْن) موجود ہوتی ہیں، عذاب نازل نہیں کیا جاتا۔ یہ اصلاحی قوتیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنے معاشرے کی اِصلاحی سرگرمیوں میں شامل اور مصروف ہو جانا چاہیے۔ یہاں ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اصلاحی قوتوں کی موجودگی میں بھی کسی معاشرے پر اللہ کا عذاب آسکتا ہے، یہ اُس صورت میں ہوتا ہے کہ جب مصلحین اور صالحین کی تعداد بہت کم ہو جائے اور مجرموں، فاسقوں اور بدکاروں کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے۔ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ اُم المؤمنین حضرت زینبؓ بنتِ جحش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

اَ نُهْلَکُ وَ فِيْنَا الصَّالِحُوْنَ؟ قَالَ: نَعَمْ، اِذَا کَثُرَ الْخَبَثُ

(صحیح البخاری، کتاب الانبیاء)

’’کیا ہم اُس وقت بھی ہلاک کیے جائیں گے جب کہ ہمارے درمیان صالح افراد موجود ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! جب بدکاروں کی کثرت ہو جائے۔‘‘

امر بالمعروف یعنی نیکی کا حکم دینا اور نهی عن المنکر یعنی لوگوں کو برائیوں سے روکنا، ہر مسلمان پر حسبِ استطاعت فرض ہے۔ جو مسلمان یہ فریضہ انجام نہیں دیتے، اُن کی دعائیں تک قبول نہیں کی جاتیں بلکہ اُن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی نازل ہو جاتا ہے جیسا کہ آگے ایک حدیث میں بیان ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی بناپر اُنھیں ’’بہترین امت‘‘ کا لقب دیا گیا ہے وہ ’’امر بالمعروف و نہی عن المنکر‘‘ کا فریضہ انجام دینا ہی ہے۔ اسی کے متعلق قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ﴾ (سورہ آل عمران: آیت 110)

''اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَّاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ .

(صحیح مسلم، کتاب الایمان)

(تم میں سے کوئی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ برائی کو ہاتھ سے روکے۔ اگر ہاتھ سے نہیں روک سکتا تو زبان سے روکے اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو کم از کم اُسے دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔)

اِس کے برعکس جو مسلمان لوگ برائی کو اپنے گھر میں یا اپنے خاندان میں یا معاشرے میں دیکھتے ہیں لیکن اُس کے خلاف کسی قسم کا احتجاج نہیں کرتے کہ کہیں اُن کی اپنی مقبولیت میں کمی نہ آ جائے یا لوگ اُن سے ناراض نہ ہو جائیں تو ایسے لوگوں پر اللہ کا عذاب نازل ہو کر رہتا ہے۔ ترمذی میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

وَالَّذِىْ نَفْسِى بِيَدِهٖ لَتَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْهُ، ثُمَّ تَدْعُوْنَ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ. (الترمذی: 2169 حدیث نمبر)

(قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ضرور بالضرور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہو گے ورنہ بہت قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تم پر کوئی عذاب مسلط کر دے۔ پھر تم دعائیں بھی مانگو گے تو تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔)

[امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے۔]

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو لوگ اپنے درمیان منکر (برائی) کو دیکھیں اور اُس پر نکیر نہ کریں تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن سب پر اپنا عذاب نازل کر دے۔'' (مسند احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں یہ بھی فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل پر وحی کی کہ فلاں بستی کو اُس کے باشندوں کے ساتھ اُلٹ دو! ۔ جبرئیل نے کہا: 'اے رب! اِس میں تیرا فلاں بندہ بھی تو ہے، جس نے ایک لمحے کے لیے بھی تیری نافرمانی نہیں کی' اللہ تعالیٰ نے کہا: 'اِس بستی کو اُس عبادت گزار پر اُلٹ دو! اِس لیے کے (بستی میں نافرمانی ہوتی رہی) اور میری خاطر ایک گھڑی کے لیے بھی اُس شخص کے چہرے کا رنگ متغیر نہیں ہوا'۔'' (بیہقی)

اِس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف خود نیک ہونا، اللہ اللہ کرنا، وظیفے اور ختم کروانا، اپنا زیادہ سے زیادہ وقت مسجدوں میں گزارنا اور صرف اپنی ذات کی حد تک برائیوں سے بچنا ہی کافی نہیں ہے۔ یہ چیز کافی نہیں کہ ہم خود تو نیک ہوں لیکن اپنی بیوی یا بیٹی کو گھر سے باہر بے پردہ جاتے ہوئے دیکھ کر ہم صرف مسکراتے رہیں یا اپنے بیٹے کو دن رات موسیقی یا انڈین فلموں میں غرق دیکھ کر ہمارے ماتھے پر سِلوٹ تک نہ دکھائیں۔ ہرگز نہیں بلکہ ہماری نجات تو صرف اُسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ ہم ایمان کے بعد عمل صالح بھی کریں اور حق بات کی نصیحت

(تواصوا بالحق) لوگوں کر کرتے رہے یعنی نیک کام کرنے کا حکم دیتے رہیں اور منکرات (برائیوں) سے روکتے رہیں اور اسلام کو اپنے گھر میں مکمل طور پر نافذ کریں۔ صرف اِسی صورت میں ہم اللہ کے بھیجے ہوئے اجتمائی عذاب سے بچ سکتے ہیں۔

دعوت اور اقامتِ دین کا کام کرنے کی اہمیت

ہمیں دعوت اور اقامتِ دین کا کام کرتے رہنا چاہیے۔ مسلمانوں میں دینِ اسلام کا صحیح شعور پیدا کرنے کے لئے دعوت و تبلیغ اور اُن کی اِصلاح کا کام اسی دائرے میں آتا ہے۔ اِس کام کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں بے شمار نصوص موجود ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالی نے قرآنِ مجید میں صاف کہہ دیا ہے کہ:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥ (سورہ آل عمران: 104)

”مسلمانوں کے درمیان ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے، جو معروفات یعنی نیکیوں کی طرف لوگوں کو دعوت دیتی رہے اور منکرات یعنی برائیوں سے روکتی رہے اور ایسے ہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں۔“

مزید برآں، اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ٥ (سورہ حٰم السجدہ: 33)

”اور اُس شخص سے زیادہ اچھی بات والا کون ہوسکتا ہے، جو لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دے، نیک عمل کرے اور اعلان کردے کہ میں فرمانبردار (مسلمان) میں سے ایک ہوں۔“

اسی طرح فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''جس نے کسی کو ہدایت کی دعوت دی تو اُسے بھی پیروی کرنے والے کے برابر اجر ملے گا، جب کہ پیروی کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی'' (صحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے آخری خطبے میں جب کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو موجود ہے، وہ غیر موجود تک (اسلام کے اِس پیغام کو) پہنچا دے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے دعوت وتبلیغ کے کام کو اپنی زندگی کا سب سے اہم ترین فریضہ قرار دیا اور اسے اپنی ترجیحات میں دعوت کے کام کو اولیت دی۔

اقامت دین ایک ایسی نیکی ہے، جس کا مقابلہ جہاد کے علاوہ شاید ہی کوئی عبادت کرتی ہو۔ دعوت وتبلیغ اسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـوْا إِن تَـنْـصُـرُوْا اللهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴿ (سورہ محمد: آیت 7)

(اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم حق کے راستے میں جما دے گا)۔

آپ غور فرمائیں کہ دعوت وتبلیغ کے کام کو اللہ تعالیٰ نے سورہ محمد کی اِس آیت میں اللہ کی مدد کے مترادف قرار دیا ہے جو کہ سب سے اونچا مقام ہے جو ایک انسان اِس دنیا میں حاصل کرسکتا ہے کہ اُسے اللہ کا مددگار (اَنصَارِی اِلیَ اللہ) قرار دیا جائے۔ اِس لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ پیشہ چاہے کوئی بھی اختیار کریں (صرف اُس کا حلال ہونا شرط ہے) لیکن اپنی زندگی کا اصل مقصد (Long term Goal) اقامت دین کو رکھیں اور تمام زندگی وہ اور اُن کے بیوی بچے اُسی کے مطابق پلاننگ کریں۔ اُنھیں چاہیے کہ جدید ترین ذرائع ابلاغ کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو دنیا کے کونے کونے میں حسب استطاعت

پہنچانے کی کوشش کریں۔

احیائے اسلام اور اقامت دین کے کام کے اجروثواب کا اندازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث سے ہوتا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ جس نے دین اسلام کی احیاء کے لیے پلاننگ کی (یعنی ایسا علم حاصل کیا) اور اُسے کام کرنے کا موقع نہ ملا تب بھی جنت میں اُس کے درجات انبیاء کے قریب قریب ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ.

(روہ الطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس مرسلاً رواہ الدارمی عن الحسن مرسلاً)

(جس کو اِس حالت میں موت آئی کہ وہ اِس لیے علم حاصل کر رہا تھا (یا کر رہی تھی) تا کہ وہ اسلام کا احیاء کر سکے تو اُس کے درجات میں اور نبیوںؑ کے درجات میں جنت میں صرف ایک درجے (Level) کا فرق ہوگا۔)

اسلام میں الولاء والبراء کے عقیدے کی اہمیت

موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ انھیں اَلْـوَلَاء وَالْبَـرَاء کے عقیدے کا پتہ ہی نہیں، پھر اللہ کی مدد کیسے آئے؟ الولاء والبراء کا مطلب ہے کہ ہماری محبت اور وفاداری اللہ، اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے ہونی چاہیے۔ اسکے برعکس مشرکین (عیسائی، یہودی، ہندو وغیرہ) سے اور اُن کے خداؤں، باطل نظاموں اور صلیبی افواج) سے ہمیں نفرت ہونی چاہیے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَداً حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ ﴾

(سورہ الممتحنہ:4)

''تم لوگوں کے لیے ابراہیم اور اُس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ اُنھوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا ہم تم سے اور تمہارے اِن معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پُوجتے ہو قطعی بیزار ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہوگئی اور دشمنی پڑ گئی جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ''۔

قرآن نے سچے مومنین کی یہ صفت بیان کی ہے:

﴿ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ﴾ (سورہ المائدہ:54)

''وہ مومنین کے ساتھ نرم ہوتے ہیں اور کافروں کے ساتھ سخت اور اِس سلسلے میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے (مثلاً میڈیا کی ملامت یا ''روشن خیال'' منافق مسلمانوں کی ملامت، وغیرہ)''۔

شاید اسی حقیقت کو پنجابی صوفی شاعر میاں محمد بخش ؒ صاحب نے ''سیف الملوک'' کے ایک شعر میں یوں بیان فرمایا تھا:

ے یار کرے جد اپنا تینوں چھٹن ہور اشنائیاں
ماں پیو سجن یاد نہ رہسن حرص نہ بہناں بھائیاں

اُسکے مقابلے میں منافق مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ جُوں ہی وہ خبروں میں مسلمان مجاہدین کے خلاف زہریلا پراپیگنڈہ سُنتے ہیں تو یہ منافق مسلمان فوراً اُن مجاہدین (طَـــائِـفَةٌ

مَـنْـصُـورَہ) پر آگ بگھولا ہو جاتے ہیں۔ فوراً کہتے ہیں: ”ہم تو پہلے ہی اِن مولویوں کے خلاف تھا“، ”ایک تو مسلمان دہشت گردی نہیں چھوڑتے“ ، ”وہ شخص (مجاہد) ضرور القاعدہ کا ممبر ہوگا“، ”ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے آج اسلام کا نام بدنام ہوا ہے۔“ وغیرہ، وغیرہ۔

دوسری طرف حال یہ ہے کہ جب ہم اُن منافق مسلمانوں کی اپنی زندگیوں پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ یہ لوگ خود سر سے پاؤں تک مغربی تہذیب میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔اُن کی زندگیوں میں کہیں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ سچے مومنین ہو سکتے ہیں۔اِن منافق مسلمانوں کا **عقیدہ الولاء والبراء** اُلٹا (Upside down) ہو چکا ہوتا ہے یعنی کافروں کے لیے یہ لوگ نرم اور مومنوں کے لیے اُن کے دل سخت ہوتے ہیں:

ع یہ مسلماں ہیں کہ جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

حقیقت یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے اندر آج اتحاد پیدا کرنے کے لئے **عقیدہ الولاء والبراء** کی شدید ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مدد اور فتح اُس وقت تک نصیب نہیں فرمائے گا جب تک مسلمانوں کے دل، کفار کی محبت سے مکمل طور پر خالی نہیں ہو جائیں گے۔ جب مسلمانوں کے قلوب کی روحانی حالت یہ ہو جائے گی کہ اُن کی تمام تر وفاداریاں، اللہ اور اُس کے رسول کے لیے ہو جائیں گی تو پھر اللہ کی مدد آئے گی۔ تاریخ میں مسلمانوں کو فتح ہمیشہ اُس وقت نصیب ہوئی جب اُن کی وفاداریاں سو فیصد اللہ کے لیے ہو گئی تھیں اور جب اُن کے دل غیر مسلموں کی محبت سے سو فیصد خالی ہو گئے تھے۔ **الولاء والبراء** کے عقیدے کو سمجھانے اور مسلمانوں کے دلوں میں راسخ کرنے کے لئے شیخ عبدالقادر جیلانی فرمایا کرتے تھے:

”اگر تمھارے دل میں کسی شخص کی محبت یا بغض ہو تو اُس کے اعمال کو کتاب وسنت کے سامنے لاؤ۔اگر اُس کسوٹی پر اُس شخص کے اعمال پورے اُتریں تو اُس سے

محبت کرو۔ اور اگر اُس شخص کے اعمال قرآن وسنت کے خلاف ثابت ہوں تو اُس سے کراہت رکھو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو اُس صورت میں تمہاری محبت یا بغض کی بنیاد ہوائے نفسانی ہوگی اور اُس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ (اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کردے گی) (سورہ ص)۔"

[تاریخ المشاہیر۔ از قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ، مطبوعہ لاہور: بیت العلوم]

مصر میں اخوان کی جمہوری حکومت کے بُت پر سیکولرزم نے جس طرح سے شاطرانہ وار کیا ہے وہ عہدِ حاضر کے مسلمانوں کے عقیدۂ اَلْوَلاء وَالْبَراء کی کمزوری کا ہی نتیجہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں مصر کا فرعون ظالم تھا کہ وہ صرف اُن کے لڑکوں کو قتل کردیا کرتا تھا:

﴿ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَ هُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَ هُمْ ﴾ (الاعراف:۱۲۷)

''ہم ان کے لڑکوں کو تو قتل کر ڈالیں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے''

لیکن مصر کے نئے دجالی دور کے فرعون جنرل فتح سیسی کی شقاوت اور درندگی نے یہ تقسیم بھی ختم کردی ہے اور مسلمانانِ مصر کے شیر خوار بچوں سے لے کر ہماری مقدس بہنوں اور بیٹیوں تک کو اور نوجوانوں سے لے کر کمزور وضعیف بزرگوں تک ہر وہ فرد جو شریعت اِسلامیہ کا نفاذ چاہتا تھا، اُس کو فرعون سیسی نے قتل کروا ڈالا۔

2013ء کے ماہِ رمضان میں مصر کے آمر مطلق فرعون جنرل سیسی کے حکم پر اخوان المسلمون کے شہدا کے مبارک اور بابرکت خون کی اور اُن کی اِس راہ میں بیش بہا قربانیوں کی ہم لوگ بے پناہ قدر کرتے ہیں۔ بے شک وہ اپنی منزلِ مقصود کو پا چکے، اللہ تعالیٰ اُنہیں زمرۂ شہدا میں شامل فرما کر اُن کی ارواح کو اپنی خاص رحمت سے فردوس بریں کی قندیلوں میں مقیم

سبز پرندوں کے جوف میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ ہم اصل میں یہاں پر اُن وجوہات پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ مصر میں اخوان کی حکومت کو اللہ کی مدد آخر کیوں نہیں آئی؟؟

حقیقت یہ ہے کہ محمد مرسی کی بار بار یقین دہانی کے باوجود کہ وہ بطور صدر مسلمان اور عیسائی میں کوئی فرق نہیں سمجھتے اور یہ کہ ان کی حکومت دینی عقیدے کی بجائے، قومی بنیادوں پر قائم ہے، صلیبیوں نے اُنہیں برداشت نہیں کیا۔ محمد مرسی کی حکومت نے باطل پرستوں سے بہت سمجھوتے (compromise) کی کوششیں کیں لیکن منافقین، سیکولر اور کفار پھر بھی اُن سے خوش نہ ہوئے۔ دراصل محمد مرسی کی حکومت اِس لئے نہیں گرائی گئی کہ وہ اخوان کی حکومت تھی، بلکہ اُس کے گرانے کی وجہ اُس کی اسلامی شناخت تھی۔ اخوان کی حکومت نے اپنی استطاعت کے مطابق امریکہ اور سیکولر طبقات کو خوش کرنے کی پوری کوشش کی لیکن وہ اخوان سے راضی نہیں ہوئے نہ ہی اُنہوں نے اس کی حکومت پر اعتماد کیا کیوں کہ وہ اخوان کے اُس شعار کو نہیں بھولتے ''الجهاد سبيلنا و موت في سبيل الله اسمٰى امانينا ''(جہاد ہمارا راستہ ہے اور اللہ کے راستے کی موت ہماری سب سے بڑی تمنا ہے) اگرچہ اخوان اِس شعار کو چھوڑ چکی ہے اور اُس کی جگہ ''الاسلام هو الحل ''کو اپنا شعار کہتی ہے لیکن صلیبی اور سیکولر اُس کو نہیں بھولتے۔ جب بھی حق اور باطل کو ملانے کی کوشش کی جائے، نتائج کچھ ایسے ہی نکلتے ہیں:

؎ باطل دوئی پسند ہے حق ہے لاشریک
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

(اقبال)

عصر حاضر کے ایک مایہ ناز عرب عالِم دین نے مصر میں اخوان کی حکومت کی ناکامی پر بڑے خوبصورت انداز میں اُنھیں چند نصیحتیں کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

''آپ نے مجلس قانون ساز، پارلیمنٹ اور صدارت سمیت ہر سطح کے انتخابات

اور رائے شماریوں میں حصہ لیا اور کامیابی بھی حاصل کی ......لیکن اُس سب کے باوجود اُنہوں نے آپ کو حکومت سے علیحدہ کر دیا اور قبول نہیں کیا۔ آپ نے شریعت کے نفاذ سے پہلو تہی کر کے وطنیت ،قومیت ،قومی رابطے اور عوامی حکومت کو قبول کر لیا......انسانوں کے بنائے ہوئے فاسد نظامِ عدالت کو عزت دی اور قوانین فاسدہ کی حکمرانی کا اقرار کیا......لیکن دیکھ لیجیے! پھر بھی انہوں نے آپ کو قبول نہیں کیا......آپ نے اسرائیل اور امریکہ کے ساتھ امن اور سیکورٹی کے معاہدات کے احترام کا اقرار کیا لیکن اس سب کے باوجود انہوں نے آپ کو رد کر دیا۔ آپ یہ بھول گئے کہ جمہوریت پر مغرب کی اجارہ داری ہے اور کسی اسلامی تحریک سے منسلک شخص چاہے جتنے بھی سمجھوتے کر لے اور جمہوریت سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے جتنا بھی نیچے گر جائے ، اُسے اِس کی اجازت نہیں ملے گی ،سوائے ایک شرط کے! کہ وہ اپنی فکر و عمل اور سیاست و معیشت میں مکمل طور پر مغرب کا بندہ بن جائے ۔

اگر آپ تحریک کے آغاز سے ہی دینی لوگوں کو شریعت کی حاکمیت ،اسرائیل سے تعلقات ختم کرنے ، فاسد عدالتی نظام ،آمر فوج اور مبارک کی باقیات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اکٹھا کرتے ، اگر آپ اُن اہداف پر عوام کو جمع کر کے اُن کے حصول تک اپنی تحریک کو جاری رکھتے ،تو آپ کیسے شکست کھا سکتے تھے؟ اُس صورت میں آپ کو ذرہ برابر نقصان یا خسارے کا اندیشہ نہیں تھا کیوں کہ آپ کی تحریک خالص اللہ کی رضا اور اسلامی عقیدے پر ثبات کی خاطر ہوتی۔

- یہ لادین طبقات اور غلامانِ امریکہ آپ کے ساتھ کیا کر لیتے ؟ آپ کو حکومت سے روکتے ؟ تو وہ انہوں نے اب بھی آپ کو حکومت سے

علیحدہ کر دیا!

- امریکہ آپ سے ناراض ہو جاتا ؟ تو وہ اب بھی ہو گیا ہے۔
- وہ آپ کو قید میں ڈال دیتے ؟ تو وہ اب بھی آپ کو گرفتار کر چکے ہیں۔
- آپ کا خون بہاتے؟ تو وہ اب بھی آپ کو قتل کر رہے ہیں اور آپ کے گھروں اور مسجدوں میں گھس رہے ہیں۔
- کیا آپ ریاستی تائید سے محروم ہو جاتے ؟ تو وہ اب بھی سب آپ کے خلاف جمع ہو گئے ہیں۔
- کیا فوج آپ کے خلاف آپریشن کر دیتی ؟ تو وہ اب بھی آپ کے خلاف انقلاب لے آئی ہے اور آپ کو کچل رہی ہے ......

میں معاذ اللہ یہ سب کچھ کسی سے مخالفت کی وجہ سے نہیں کہہ رہا بلکہ مرض کی صحیح تشخیص کی نیت سے بیان کر رہا ہوں تا کہ علاج کے لئے صحیح دوا تجویز کی جا سکے۔''

لہٰذا مصر میں جو کچھ ہوا وہ اسلام کی حاکمیت قائم کرنے کے لیے جمہوری طریقے کی ناکامی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اِس سے پہلے ایسی بڑی اور بدترین ناکامی کی مثال نہیں ملتی۔ یہ الجزائر اور فلسطین میں ہونے والی ناکامی سے کہیں زیادہ بڑی اور بدتر ہے۔ اِس مرتبہ اخوان جمہوری طور پر مناصب صدارت و وزارت تک بھی پہنچ گئے اور انہوں نے پارلیمنٹ اور شوریٰ میں بھی اکثریت حاصل کر لی لیکن اس سب کے باوجود انہیں قوت کے ذریعے حکومت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس واقعے کے تناظر میں ایک امریکی صحافی نے تسلیم کیا ہے کہ جمہوریت اور انتخابات کے متعلق مجاہدین جو کہتے ہیں وہ بالکل درست ہے۔ چنانچہ مصر میں وہاں کی سیکولر حکومت اور اُس کی سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں ہونے والے مسلمانوں کے قتل عام پر پوری دنیا اور بالخصوص مغربی ممالک بشمول امریکہ نے جس طرح خاموشی اختیار کی ہے اُس پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکی صحافی ڈیوڈ روڈ (David Rohde) لکھتا ہے:

''وائٹ ہاؤس کی طرف سے اِس ہفتے مصر کے مسلمان نوجوانوں کو بھیجا جانے والا پیغام بالکل واضح تھا کہ مجاہدین اتنے عرصے سے امریکی منافقت کے بارے میں جو کچھ بتا رہے ہیں، وہ بالکل درست ہے۔ جمہوری اقدار تمھارے علاوہ سب پر لاگو ہوتے ہیں، انتخابات میں حصہ لینا فضول ہے۔''

Rohde, David (Aug. 15, 2013) "A feckless response to Egypt's avoidable massacre" Reuters (International Ed.)
http://blogs.reuters.com/david-rohde/2013/08/15/a-feckless-response-to-egypts-avoidable-massacre/

جدوجہد میں اخلاص کی اہمیت

اِس دنیا میں مسلمان اگر چاہتے ہیں کہ اُنھیں اللہ کی مدد پہنچے تو پھر اُنہیں اپنا عقیدہ درست کرنا ہوگا۔ اُنھیں اپنی نیت خالص اللہ کے لیے کرنا ہوگی ورنہ فتح حاصل کرنا محال ہے۔ یاسر عرفات کی مثال لے لیں، اُس شخص نے 30 سال تک یہود سے لڑائی لڑی لیکن اُسے اللہ کی مدد نہیں پہنچی۔ آخر کیوں؟ 1970ء کی دھائی میں شیخ عبداللہ العزام (جن کا تعلق بھی فلسطین سے ہی تھا) نے یاسر عرفات کی جماعت میں شمولیت اختیار کی تاکہ فلسطین کی آزادی کے لیے جدوجہد کریں۔ جب شیخ عزام نے یاسر عرفات سے ایک مرتبہ پوچھا کہ آپ کی اسرائیلی یہودیوں کے خلاف اِس جدوجہدِ آزادی میں کیا مذہبی جذبہ اور مقصد کارفرما ہے؟ یہ سُن کر یاسر عرفات نے جواب دیا کہ وہ یہ جنگ مذہب کے لئے نہیں بلکہ عرب قومیت (Arab Nationalism) کے لئے لڑ رہے ہیں۔ یہ سن کر شیخ عزام نے یاسر عرفات کو چھوڑ دیا۔ اور بالآخر افغانستان میں آکر روسیوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ شروع کردیا۔ یاسر عرفات کا عقیدہ اور اُس کی جدوجہد کی بنیاد اللہ کے کلمے کو بلند کرنا نہیں تھا اس لیے اُسے فتح نصیب نہیں ہوئی۔

اسی طرح مصر کے سیکولر حکمران جمال عبدالناصر نے جب 1963ء میں اسرائیل سے جنگ کی تو اُس چھ(6) روزہ جنگ میں جمال عبدالناصر کو بُری طرح شکست ہوئی اور یہودیوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ جمال عبدالناصر سوشلسٹ (Socialist) تھا اور وہ یہودیوں سے یہ جنگ عرب قومیت پرستی اور سوشلزم (socialism) کی سربلندی کے لیے لڑ رہا تھا۔ اب چونکہ یہودیت میں کم از کم خدا کی ذات پر ایمان تو موجود ہے جب کہ سوشلزم میں تو خدا کی ذات کا ہی سرے سے انکار ہے اِس لحاظ سے یہودیت چونکہ سوشلزم سے بہتر ہے اس لیے اِس جنگ میں اسرائیل کے یہودیوں کو مصر کے سوشلسٹ فوجیوں پر فتح حاصل ہوئی۔

اِس کے برعکس افغانستان میں مجاہدین نے روس کے خلاف خالص فی سبیل اللہ جہاد کیا تھا۔ چنانچہ اللہ نے افغانستان کے مجاہدین کی مدد فرمائی۔ اور نہ صرف روس کو اپنے زخم چاٹتے ہوئے افغانستان سے نکل کر بھاگنا پڑا بلکہ خود سوویت یونین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور آج سوویت یونین تاریخ کی ردی کی ٹوکری (Dustbin of history) میں پڑا ہوا ہے۔ تاریخ نے اپنے آپ کو پھر دُھرایا اور امریکہ اور نیٹو کی افواج کے ساتھ بھی افغانستان میں وہی ہوا جو رُوس کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یاسر عرفات کی مدد نہیں کی لیکن افغان مجاہدین کی روس اور پھر نیٹو کے خلاف مدد کی۔ اس لیے ہمیں میدانِ جنگ میں طاغوت کی فوج کا حصہ بن کر یا قومیت پرستی کی سربلندی کی خاطر کبھی نہیں جانا چاہیے۔ ہماری جنگ کا مقصد صرف اللہ کے نام کی سربلندی ہونا چاہیے اور بس۔ جہاد کو اللہ تعالیٰ تب بھی قبول فرماتا ہے جب وہ اللہ کے ذکر کو بلند کرنے کے لیے کیا جائے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آدمؑ کے دو بیٹوں نے اللہ کے ہاں قربانی پیش کی تھی لیکن جس بیٹے کی قربانی فی سبیل اللہ تھی صرف اُسی کی قربانی اللہ نے قبول فرمائی (یعنی ہابیل کی) اور جس کی نیت اور قربانی اللہ کے لیے نہ تھی (یعنی قابیل کی) وہ قبول نہ کی گئی:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِن أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ o (سورہ المائدہ: 27)

''اور ذرا انہیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بے کم و کاست سنا دو۔ جب اُن دونوں نے قربانی کی تو اُن میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی۔ اُس (قابیل) نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا''۔ اُس (ہابیل) نے جواب دیا ''اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے''۔

پس اللہ کی مدد تب ہی آئے گی جب ہماری جدوجہد کا مقصد اللہ کے کلمے کو سربلند کرنا اور اللہ کی شریعت کا قیام ہوگا اور جب ہماری نیت خالص فی سبیل اللہ ہوگی۔

صبر کی اہمیت

اللہ تعالیٰ انسانوں کو آسائشوں اور آرام کے ذریعے بھی آزماتا ہے اور مصیبتوں اور پریشانیوں کے ذریعے بھی آزماتا ہے۔ ہمیں نعمتوں پر شکر ادا کرنا چاہیے اور تکالیف و آرام پہنچنے پر صبر کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ خوف، بھوک اور جان و مال کے نقصان سے ضرور بہ ضرور ہمیں آزمائے گا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الأَمَوَالِ وَالأنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ oالَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ oأُولَـئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَo (سوره البقره: آيات 157-155)

''اور ہم ضرور تمہیں خوف، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے، اِن حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے، اُنہیں خوشخبری دے دو، اُن پر اُن کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی، یہی ہدایت یافتہ لوگ ہوں گے۔''

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ ہمیں اعلائے کلمۃ الحق کی جدوجہد جاری رکھنی چاہیے اور صبر کرنا چاہیے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ کی مدد ضرور آئے گی:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝ (سورہ البقرہ: آیت214)

''پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا، حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ اُن پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے، حتّٰی کہ وقت کا رسُول اور اُس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی...... اُس وقت اُنھیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے۔''

مصیبتوں پر اِس دنیا میں صبر کرنا اہل ایمان کی ٹریننگ کا حصہ ہے۔ پھر قرآن کی اصطلاح میں صبر کے معنی بہت وسیع ہیں۔ ''صبر'' کا مطلب مشکل کے وقت بے بس ہو کر مدد کا انتظار کرنا ہی نہیں بلکہ ''صبر'' سے مراد حق کے راستے میں استقامت بھی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

یاتی علی الناس زمان الصابر فیھم علی دینه کالقابض علی الجمر

رواہ الترمذی (2260)

''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دین پر عمل کرنا ایسا ہوگا جیسے کسی نے اپنے ہاتھ میں جلتا ہوا کوئلہ (مثلاً بار بی کیو کا کوئلہ burning barbeque coal) پکڑا ہو۔''

سچے مومنین کے لیے راہِ حق میں استقامت اور صبر کا مظاہرہ مشکل نہیں کیونکہ نماز کی وجہ سے اُن کے دل اللہ اور روزِ آخرت کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ o الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُم مُّلاقُوا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ o

(سورہ البقرہ: آیات 45,46)

''صبر اور نماز سے مدد لو، بیشک نماز ایک سخت مشکل کام ہے مگر اُن فرماں بردار بندوں کے لیے مشکل نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ آخر کار اُنہیں اپنے رب سے ملنا اور اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔''

اتحاد کی اہمیت

اگر ہم مسلمانوں میں بحیثیت قوم اتحاد نہیں ہوگا تو ہماری کوئی حیثیت نہیں۔ قرآن ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ ہم آپس کے فروعی اور چھوٹے چھوٹے اختلافات کے معاملے میں صبر سے کام لیں اور متحد رہیں۔ صبر کے علاوہ ہمیں کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔ (مثلاً قرآن کی تلاوت، حدیث کی کتابوں کا مطالعہ، درود شریف اور استغفار کا ورد کرتے رہنا جب ہم اکیلے ہوں، درسِ قرآن میں شامل ہو کر تفسیر قرآن کو سمجھنا، اللہ کے راستے میں صدقہ خیرات کرتے رہنا، وغیرہ) اللہ کا ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان، انسان کے دل پر اپنے پنجے نہیں جما سکتا اور دو مسلمان بھائیوں کو قومیت پرستی یا صوبائی عصبیت یا پارٹی بازی یا خاندانی سیاست کا طعنہ دیکر آپس میں لڑوا نہیں سکتا۔ چنانچہ قرآن ہمیں یہ

سکھا تا ہے بلکہ آپس کے اتحاد کا یہ نسخہ بتا تا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o وَأَطِيْعُوْا اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَلاَ تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ o (سورہ الانفال: آیات 45,46)

''اے ایمان لانے والو، جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہوتو ثابت قدم رہواوراللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ امید ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی،اوراللہ اوراُس کے رسُول کی اطاعت کرواور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی ،صبر سے کام لو، یقیناًاللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

یعنی اگر ہمارے اندر تقویٰ ہوگا تو ہمیں کوئی آپس میں لڑوا نہیں سکتا۔کفار کی سب سے بڑی خواہش اور کوشش یہی ہے کہ مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کو ہوا دیکر اُن کو آپس میں لڑوادیں۔ سیرتِ رسولؐ کے مطالعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جب کفارِ مکہ غزوہ احد کے موقع پر اپنی تین ہزار کی فوج لیکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے مدینہ کی طرف چلےتو اُن کے لیڈر ابوسفیان (جنھوں نے ابھی اسلام نہیں قبول کیا تھا) نے انصارِ مدینہ کو یہ پیغام بھجوایا:

''آپ (مدینہ کے انصار) لوگ ہمارے سے لڑائی کے لیے نہ آئیں۔ ہماری آپ سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔ہماری جنگ تو صرف مہاجرین کے ساتھ ہے۔''
(بحوالہ: سیرت الرسول، ابن ہشام)

اِس طرح کی چال چل کر کفارِ مکہ کے لیڈر ابوسفیان یہ کرنا چاہتے تھے کہ انصار اور مہاجرین کے اتحاد کو توڑ کر پہلے اُحد کی جنگ میں ہم مہاجرین صحابہ کوختم کرلیں پھرمدینہ جا کر انصار کو بھی ختم کر دیں گے۔لیکن انصار صحابہ آج کے مسلمانوں کی طرح تھوڑی تھے

جنھوں نے نہایت تابعداری کے ساتھ امریکہ اور اُس کے صلیبی اتحادی ممالک کی فوجوں کو پہلے عراق اور پھر افغانستان پر حملہ کرنے دے دیا۔ انصارِ مدینہ تو رسول کریمؐ کے تربیت یافتہ تھے، انھوں نے ابو سفیان کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ انصارِ مدینہ، دورِ حاضر کے مسلمانوں کی طرح صلیبیوں کی باتوں میں نہیں آئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب کفار کسی مسلمان ملک پر حملہ کرتے ہیں تو مغربی کفار اور صلیبی لیڈر پوری دنیا کے مسلمانوں اور بالخصوص اُس ملک کے "ہمسائے مسلم ممالک" کو یقین دلاتے نہیں تھکتے کہ مغرب کی اسلام سے کوئی جنگ نہیں ہے اور ہم غیر مسلم لوگ جانتے ہیں کہ مسلمان تو بڑے "پُرامن" (peace-loving) لوگ ہیں۔ مغربی کفار لیڈر ایسی حالت میں پوری دنیا کے مسلمانوں کو یقین دلا رہے ہوتے ہیں کہ اُن کی اسلام سے کوئی جنگ نہیں جبکہ اُن کفار لیڈروں کے ہاتھوں سے معصوم مسلمانوں شہریوں اور مجاہدین کا خون ٹپک رہا ہوتا ہے۔ قرآن نے اِن مغربی کفار اور صلیبی حکمرانوں کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لاَ تُفْسِدُوا فِي الأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ○ أَلاَ إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَـكِن لاَّ يَشْعُرُونَ ○

(سورہ البقرہ:11,12)

"جب کبھی اُن سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو، تو انھوں نے یہی کہا کہ ہم تو اِصلاح کرنے والے ہیں، خبردار! حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں مگر انھیں شعور نہیں ہے۔"

بہر حال انصارِ مدینہ تو ابو سفیان کی غزوہ احد کے موقع پر چال کو سمجھ گئے لیکن افسوس کہ آج کے مسلمان، کفار کے لیڈروں کی اِس یقین دھانی پر یقین کر لیتے ہیں جب اُن سے کہا جاتا ہے:

" آپ لوگ ہمارے سے لڑائی کے لیے نہ آئیں۔ ہماری جنگ تو صرف

''مہاجرین''[آج اُن کے لیے''دہشت گرد''یا''عسکریت پسند'' کی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہے] کے ساتھ ہے۔ہماری آپ''انصاری مسلمانوں'' سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔''

واقعہ یہ ہے کہ کفار چاہے ہم سے کتنی ہی محبت کے دم بھر لیں، وہ ہمارے لیے کبھی مخلص نہیں ہو سکتے۔یہ صرف آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں:

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ﴾ (سورہ الانفال: آیت 73)

''یہ کفار لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

چنانچہ اللہ کی مدد حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ متحد ہو جائیں اور صلیبیوں کے وعدوں پر بھروسہ نہ کریں۔پھر اللہ کی مدد ضرور آئیگی، ان شاءاللہ۔

فتح حاصل کرنے کے لیے تیاری کی اہمیت

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا تھا:

''جب تم لوگ سودی لین دین میں پڑ جاؤ گے اور گائے کی دم کے ساتھ لٹک جاؤ گے (یعنی دنیا کمانے میں لگ جاؤ گے) اور اپنی کاشت کی ہوئی فصلوں سے مطمئن ہو جاؤ گے اور جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ذلت کو مسلط کر دے گا اور اُس ذلت کو اُس وقت تک تمہارے اوپر سے نہیں ہٹائے گا جب تک تم اپنے مذہب کی طرف واپس نہ آ جاؤ۔'' (مسند احمد۔ابوداؤد)

[امام القطان نے اِس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ابن حجر عسقلانی نے بلوغ المرام میں کہا ہے کہ اِس حدیث کی سند مضبوط ہے۔]

اِس حدیث سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جب مسلمان جہاد کی تیاری کو چھوڑ بیٹھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو چھوڑ دیتا ہے اور اُن کی مدد نہیں کرتا۔ پھر اللہ کی مدد کیسے آئے؟ اگر ہم نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ بھی ہمیں بھلا دیگا بلکہ ہمارا حال یہ ہوگا: ''تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں'' کیونکہ قرآن کے الفاظ بالکل واضح ہیں:

وَلاَ تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوْا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ o

(سورہ الحشر۔آیت 119)

''اور اُن جیسے مت ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ مگر اللہ نے اُن کو اپنا آپ بھلا دیا اور یہی لوگ نافرمان ہیں۔''

چنانچہ مسلمانوں کی میدان جنگ میں کفار کے خلاف فتح حاصل کرنے کے لیے تیاری اور عمل لازمی ہے، صرف دعائیں کافی نہیں۔ قرآن مسلمانوں کو ہر وقت جہاد کی تیاری کا حکم دیتا ہے:

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّنْ قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدْوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِيْنَ مِن دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُوْنَهُمُ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُوْا مِن شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ o

(سورہ الانفال : آیت 60)

''اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تا کہ اُس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور اُن دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اُس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔''

یہ اِس دنیا کا اصول ہے کہ جو جدوجہد کرتا ہے صرف وہی بچتا ہے۔ جس کی لاٹھی ہوتی ہے اسی کی بھینس ہوتی ہے: ''You need to resist in order to exist'' اِس دنیا میں ضعیفی کا جرم نا قابلِ معافی ہوتا ہے اور ہمیں اپنی بقا کے لیے مسلسل جدوجہد کرنی پڑتی ہے:

؎ تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات
(اقبال)

چنانچہ قرآن میں اسی اصول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

وَلَوْلاَ دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَـٰكِنَّ اللهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ o (سورہ البقرہ:251)

''اگر اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا، تو زمین کا نظام بگڑ جاتا، لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے کہ وہ اس طرح دفع فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے۔''

اسلامی جہاد کا فلسفہ ہی یہ ہے کہ اِس سے پہلے کہ غیر مسلم اقوام ہمیں ختم کر دیں، مسلمان قوم کو اتنا مضبوط ہو جانا چاہیے کہ کوئی اُس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ آج کے صلیبی ممالک پوری دنیا کے مسلمانوں کے خون کے پیاسے بنے ہوئے ہیں۔ وہ سب کچھ برداشت کرلیں گے لیکن مسلمانوں کے جہاد اور مسلم ممالک میں نافذ شریعت کو برداشت نہیں کرسکتے۔ آج کی مغربی اقوام اور اقوام متحدہ کی دجالی فوج (NATO) کو وہ امن پھیلانے والی افواج (Peace-keeping Armies) کہتے ہیں لیکن جب مسلمان جہاد کے لیے کھڑا ہوتے ہیں تو پوری دنیا کا مغربی میڈیا اور حکومتیں بیک آواز اُنھیں دہشت گرد (Terrorists) کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ مسلمان مجاہدین کو بدنام کرنے کے اور مجاہدین کی

کردار کشی (character-assassination) کے لئے نہایت منظم پراپیگنڈہ مہم شروع کر دیتے ہیں۔ مجاہدین کو اسلامی انتہاء پسند (Islamist Extremists) اور اسلامی عسکریت پسند (Islamic Militants) کہہ کر دنیا کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ یہ مجاہدین پوری دنیا کے لئے خطرہ ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ صلیبی افواج اور دجالی افواج صرف ایک ہی زبان سمجھتی ہیں اور وہ ہے جہاد کی زبان۔ اور یہ لوگ دل سے عزت بھی غدار اور منافق مسلمانوں کی نہیں بلکہ اللہ کے لیے میدانِ جہاد میں لڑنے والے مسلمانوں کی ہی کرتے ہیں۔ تبھی تو قرآن نے کہا ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ٥

(سورہ المنافقون: 8)

''بیشک عزت تو اللہ اور اُسکے رسول اور مومنین (مثلاً مجاہدین) کے لئے ہے لیکن منافقین اِس بات سے بے خبر ہیں۔''

غلبہ اسلام کے لیے بنیاد (Base) کی اہمیت

اسلام کے غلبے اور اللہ کی مدد حاصل کرنے کے لیے ایک مرکز اور بنیاد قائم کرنے کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں مسلمانوں کا ایک بنیادی مرکز (القاعدہ) قائم کیا تھا جہاں سے سب سے پہلے مکہ کو فتح کیا گیا اور پھر اسلام کے پیغام کو پوری دنیا میں پھیلایا گیا۔ جب تک مدینہ میں مسلمانوں کی بنیاد (Base) نہیں بنی تھی اُس وقت تک اسلام اور مسلمان کمزور تھے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اسلام کی تبلیغ کررہے تھے اور مسلمانوں کے لئے حالات بہت خراب ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغِ اسلام کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ وہاں پر قبیلہ بنو ثقیف کی سنگ باری سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اقدس سے خون بہنا شروع ہوگیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاؤں مبارک حتیٰ کہ جوتے تک میں خون بھر گیا تو بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے:

اَللّٰھُمَّ اِلَیۡکَ اَشۡکُوۡ ضُعۡفَ قُوَّتِیۡ وَقِلَّۃَ حِیۡلَتِیۡ (سیرت ابن ہشام)

''خدایا! میں اور کس سے کہوں؟ تیرے ہی سامنے بے چارگی کی فریاد ہے اور بے سروسامانی کا شکوہ ہے!''

یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ عربی زبان میں ''بنیاد''(Base)یا(Foundation)کے لیے ''القاعدہ'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد (القاعدہ) رکھی۔ یہ اصطلاح قرآن میں موجود ہے جہاں ''قاعدہ'' کی جمع ''قواعد'' استعمال ہوئی ہے۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذۡ يَرۡفَعُ إِبۡرَاهِيۡمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَإِسۡمَاعِيۡلُ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا إِنَّكَ أَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝ (سورہ البقرہ: آیت 127)

''اور یاد کرو ابراہیم اور اسماعیل جب اُس گھر (کعبۃ اللہ) کی بنیادیں (القواعد) اُٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے: ''اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، تُو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اگر ہماری بنیاد (قاعدہ) مضبوط نہیں تو فتح ممکن نہیں۔ قرآن میں سورۃ النصر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِذَا جَاءَ نَصۡرُ اللهِ وَالۡفَتۡحُ ۝ وَرَأَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِيۡ دِيۡنِ اللهِ أَفۡوَاجًا ۝ (سورۃ النصر)

''جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہو جائے اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تم

دیکھلو کہ لوگ فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہورہے ہیں۔"

اِن آیات میں جس فتح کی طرف اشارہ ہے وہ مکہ کی فتح ہے۔ اُس کے لیے 21 سال رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام ؓ کا تزکیہ کیا۔ اُن کے اندر سے شرک اور دیگر گناہوں کو ختم کیا۔ صحابہ کرامؓ نے مصائب اٹھائیں، اُن کا معاشی بائیکاٹ کیا گیا، مسلمانوں کے بنیادی مرکز (القاعدہ) یعنی مدینہ کی طرف ہجرت کی، مسلمانوں نے جنگیں لڑیں، بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے بنیادی مرکز (القاعدہ) سے 10,000 صحابہ کرام ؓ کی جماعت لے کر مکہ کو فتح کیا۔ اگر مسلمانوں کا بنیادی مرکز (القاعدہ یعنی مدینہ منورہ) قائم نہ ہوا ہوتا تو کیا مکہ فتح ہوسکتا تھا؟ پھر اُس کے بعد غزوۂ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم 30,000 صحابہ کرامؓ کو لے کر مسلمانوں کے بنیادی مرکز (مدینہ) سے نکلے۔ چنانچہ اگر ہمارا کوئی بنیادی مرکز نہیں تو ہم کچھ بھی نہیں، ہمارے دشمن کی نظر میں ہماری کوئی حیثیت نہیں۔ انگلش زبان کا محاورہ ہے:

(Without a BASE, there is no GRACE)

"اگر ہماری کوئی بنیاد نہیں تو ہمارا کوئی وقار نہیں۔"

ہم جب بچپن میں اپنی تعلیم کی ابتداء کرتے ہیں تو پہلی جماعت میں اردو کا "قاعدہ" پڑھتے ہیں اور انگلش کا "قاعدہ" پڑھتے ہیں تاکہ ہماری تعلیم کی بنیاد (القاعدہ) مضبوط ہو۔ غیر مسلم اقوام اِس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ جونہی کسی اسلامی ملک میں مسلمان ایک بنیادی مرکز (Base) قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے تو وہاں سے وہ پوری دنیا میں اسلام کا پیغام پھیلانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم ممالک کی اقوام متحدہ کی "ایک آنکھ" پوری دنیا کے اسلامی ممالک کے مسلمانوں کو ہر وقت "Watch" کرتی رہتی ہے۔ جوں ہی اُنھیں کسی اسلامی ملک میں مذہبی مسلمان متحد ہوکر ایک

''بنیاد'' بنانے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں تو ''ایک آنکھ'' فوراً اُس کا سختی نوٹس لیتی ہے اور مسلمان ممالک کے منافق یا سیکولر حکمرانوں کو''آنکھ ہی آنکھ میں'' اشارہ کرتی ہے کہ اُن پر''القاعدہ'' کا لیبل لگا کر اُن کو ختم کردیں ۔اِس کے ساتھ ساتھ ایک آنکھ والا میڈیا، اسلامی حکومت کے قیام کے لئے کوشش کرنے والوں پر مختلف قسم کے لیبل لگانا شروع کرتا ہے مثلاً ''دہشت گرد''، ''بنیاد پرست''، ''جنگجو'' وغیرہ۔ اُنھیں بخوبی پتہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت ایک آنکھ والے میڈیا کے سامنے بیٹھی رہتی ہیں اور یہ ایک آنکھ والے میڈیا کے سامنے بیٹھنے والے مسلمان شعوری یا لاشعوری طور پر وہی زبان بولنا شروع کردیتے ہیں جو خبروں میں اُنھیں دکھایا جاتا ہے کیونکہ میڈیا اور اُس کی تصویر کشی کی طاقت میں کوئی شک نہیں جیسا کہ انگریزی زبان کی ضرب المثل ہے:

"A picture is worth a thousand words"

اسی لیے تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجالی دور کے متعلق فرمایا تھا:

فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا

(جامع ترمذی کتاب الفتن، سنن ابی داؤد کتاب الفتن والملاحم)

''آخری زمانے میں ایسے فتنے ہیں جیسے اندھیری رات کی تاریکی، صبح کو ایک آدمی مومن ہوگا تو شام کو کافر بن چکا ہوگا اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کافر''۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دجالی دور میں ایمان میں ثبات واستقامت باقی نہ رہے گی۔ گھڑی میں کچھ گھڑی میں کچھ۔صحیح مسلم میں یہی حدیث بروایت ابوہریرہؓ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا

(صحیح مسلم کتاب الایمان)

''رات کو ایک آدمی مومن سوئے گا، صبح اُٹھے گا تو کفر میں مبتلا ہو جائے گا، اپنے دین کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالے گا۔''

یعنی ہوسکتا ہے کہ ایک مومن کی ہمدردیاں صبح کے وقت اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد کرنے والوں یا مجاہدین کے ساتھ ہونگی لیکن شام کو ٹی وی یا ڈش یا سٹیلائیٹ ٹی وی پر CNN یا BBC یا PTV پر راہِ حق کے مجاہدین کے خلاف پراپیگنڈہ سن کر اور اُن پر لگائے گئے خطرناک لیبل دیکھ کر اُس مومن کا نقطہ نظر بالکل بدل جائے گا اور وہ مجاہدین کو دہشت گرد، احیائے اسلام کی تحریکوں کے کارکنوں کو بنیاد پرست اور اسلامی ملک کو غیر مسلم صلیبی فوجوں کے قبضے سے چھڑوانے والے دردمند مسلمانوں کو جنگجو (Militant) سمجھنے لگ جائیگا۔ اُس ''ایک آنکھ والے'' ٹی وی پر خبریں دیکھنے کے بعد ایک مومن کی ہمدردیاں نظامِ کفر کو دنیا میں نافذ کرنے والوں کے ساتھ ہو جائیں گی جس کی وجہ سے وہ مومن جو صبح تک تو مسلمان تھا لیکن شام کو میڈیا کے پراپیگنڈے کے اثر سے وہ اسلام سے باہر نکل جائیگا۔ یا ایک مومن شام تک مسلمان ہوگا لیکن رات کو سونے سے پہلے وہ PTV یا CNN یا BBC یا کسی بھی فاسق نیوز میڈیا پر حقیقی مومنین کے خلاف پراپیگنڈہ سن کر اُس پر ایسا اثر ہوگا کہ جب وہ رات کو سو کر صبح کو اُٹھے گا تو اُس کی ہمدردیاں کفار اور منافق اور سیکولر لوگوں کے ساتھ ہو چکی ہوں گی جس کی وجہ سے وہ مومن اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

یقیناً اوپر دی گئی دونوں احادیث بہت معنی خیز ہیں اور یقیناً دجالی ایجنٹوں میں انسان کے ذہن کو بدلنے اور اُن کے ایمان کو تباہ کرنے کی بڑی طاقت موجود ہے۔ اِس چیز سے صرف حقیقی مومنین ہی بچیں گے جو دجالی ایجنٹوں کے ماتھے (سکرین) پر ''ک ف ر''

(کَـفَـرَ) لکھا ہوا دیکھ لیں گے اور پہچان لیں گے کہ یہ کافر میڈیا (کَـفَـرَ بنانے والا) ہمیں کبھی خالص حق بات نہیں بتائے گا بلکہ ہمیشہ حق اور باطل کو ملا جلا کر (Mix کر کے) ہی بتائے گا جبکہ قرآن نے ہمیں ایسا کرنے سے منع کیا ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ o

(سورہ البقرہ : 42)

''باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ نہ بناؤ اور حق کو جانتے بوجھتے چھپانے کی کوشش نہ کرو۔''

قیامت کے قریب کے فتنوں کے متعلق احادیث کا مطالعہ

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں قیامت کے قریب کے زمانے یعنی آجکل کے دور میں ظاہر ہونے والے مختلف فتنوں کی بہت تفصیل موجود ہے۔ اُن احادیث میں تفصیل کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کو کن کن فتنوں کا سامنا ہوگا۔ حدیث کی تقریباً تمام مشہور کتابوں میں ایک مکمل باب (chapter) صرف ''فتن'' (فتنے کی جمع) کے متعلق پایا جاتا ہے کیونکہ اِس موضوع پر بہت سی احادیث موجود ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے عام طور پر مختصر اور جامع ہوا کرتے تھے لیکن ایک روز رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد سے لیکر قیامت تک اِس اُمت کو جو جو فتنے پیش آئیں گے اُن کے متعلق بڑا طویل خطبہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر فجر کی نماز کے بعد سے آخری زمانے کے فتنوں کے متعلق بتانا شروع کیا حتیٰ کہ ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا، پھر ظہر کی نماز کے بعد سے عصر تک، پھر عصر کی نماز کے بعد سے مغرب تک، پھر مغرب کی بعد سے عشاء کی نماز کے وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل صحابہ کے سامنے تقریر کرتے رہے۔ اگر یہ موضوع اہم نہ

ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پورے دن اِس موضوع پر کیوں کلام فرماتے ۔صحابہ کرامؓ قربِ قیامت کےفتنوں کے بارے میں ہر وقت جاننے کے خواہش مند رہتے تھےاور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن فتنوں سے بچنے کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔

اس لئے مسلمانوں کوچاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ احادیثِ فتن کا مطالعہ کریں جس طرح صحابہ کرام اِس موضوع میں خصوصی دلچسپی لیا کرتے تھے۔آخری زمانے کی (یعنی ہمارے زمانے کی)فتنوں کی حادیث کےمطالعے کے بہت سے فائدے ہیں ۔ مثلاً :

☆ فتنوں کے بارے میں احادیث کا مطالعہ کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو اِن فتنوں کا شکار ہونے سے بچا سکتا ہے۔

☆ انسان ایک مومن اور منافق کے درمیان فرق کرسکتا ہے کیونکہ ''فتنہ''ہمیشہ کھرے اور کھوٹے کو علیحدہ کر دیتا ہے۔

☆ فتنوں کے بارے میں احادیث پڑھ کر ایک مسلمان کومجموعی طور پر اندازہ ہوتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کس سمت کی طرف جارہی ہےاور اُسے کس طرح فتح حاصل ہوگی۔

☆ آخری زمانے (یعنی ہمارے موجودہ زمانے) کےفتنوں کے بارے میں احادیث پڑھ کر ایک مسلمان کو اندازہ ہوسکتا ہے کہ امتِ مسلمہ کو فتح پُرامن تبلیغ کے ذریعے یا الیکشن میں ووٹ ڈالنے اور جمہوری تماشے کے ذریعے نہیں حاصل ہوگی بلکہ اللہ کے راستے میں جہاد کر کے حاصل ہوگی۔ فتنوں کے دور میں مسلمان اُمت کے دو عظیم لیڈر اصل میں دو عظیم مجاہدین ہوں گے یعنی امام مہدی اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام۔

مسلمانوں میں ''طائفہ منصورۃ'' یعنی ''کامیاب گروہ'' کونسا ہے؟

دراصل یہ دنیا اور اِس کے تقاضے بہت ہی دلفریب اور دلکش ہیں۔ ہوس بڑی آسانی سے چُھپ چُھپ کر انسانوں کے دلوں میں تصویریں بنالیتی ہے۔ ایک بندہ مؤمن جب اِس دنیا کی طرف دیکھنے لگتا ہے تو اُس کا پاؤں پھسل جاتا ہے اور وہ جہاد کی نورانی چوٹی تک نہیں پہنچ پاتا۔ پھر جہاد سے محرومی کا فتنہ اور گناہ بھی بہت عجیب ہے۔ اکثر گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ انسان اُن میں مبتلا ہونے کے بعد شرم اور خوف محسوس کرتا ہے مگر ترک جہاد کے گناہ کو شیطان نے انسانی نفس کے لئے بہت دلکش بنادیا ہے۔ آپ جہاد چھوڑ کر گھر بیٹھ جانے والے کسی شخص سے بات کریں، وہ خود کو دنیا کا افضل ترین شخص ثابت کرے گا اور جہاد کرنے والوں پر طرح طرح کی تنقیدیں کرے گا۔ اُس شخص نے خود اسلام کی خاطر کبھی تنکا بھی نہیں توڑا ہوگا لیکن اپنے آرام دہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر وہ شخص اسلامی تعلیمات پر روشنی ڈال رہا ہوگا اور پوری دنیا کے مجاہدین کو تنقید کا نشانہ بنا رہا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام کے مطابق ہمیں اپنا عقیدہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر یا ٹی وی پر آکر اسلام کی بات کرنے والے علماء سے نہیں لینا چاہئے بلکہ ہمیں اپنا عقیدہ اُن مجاہدین سے لینا چاہئے جنھوں نے سرحدوں پر جاکر اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لئے کفار، منافقین اور صلیبی دجالی افواج سے جہاد کرکے اپنے اخلاص کو ثابت کردیا ہے۔ اس بارے میں شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

> ''امام احمد بن حنبلؒ اور امام عبداللہ بن المبارکؒ اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کے درمیان کسی بات میں اختلاف رائے پیدا ہوجائے تو دیکھو کہ محاذوں والے کس طرف ہیں کیونکہ بیشک حق اُن کے ساتھ ہے، اِس لیے کہ اللہ فرماتا ہے:
> ﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ (اور جن لوگوں نے

ہماری راہ میں جہاد کیا ہم ضرور بالضرور اُن کو اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے"
(العنکبوت : 69)۔"

(فتاویٰ لابن تیمیه: 28 / 442)

یہی محاذوں والے دراصل "طائفۃ منصورۃ" ہیں۔دراصل جہاد چیز ہی ایسی ہے کہ جو کھرے اور کھوٹے مسلمان کو ظاہر کر دیتا ہے۔قرآن میں سورہ الانفال میں غزوہ بدر کو "یوم الفرقان" (فیصلے کا دن) کہا ہے کیونکہ جہاد ہوتا ہی حق اور باطل کو علیحدہ کرنے والا ہے۔دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے والا۔جہاد کرنے والے مسلمان کامیاب گروہ اور جہاد سے جی چرانے والے مسلمان، کھوٹے مسلمان قرار پاتے ہیں۔ "طائفۃ منصورۃ" یعنی "کامیاب گروہ" والوں کا بہت سی احادیث میں ذکر ہے۔مثلاً

لاتزال عصابة من أمتي يقاتلون علی امر الله قاهرين العدوهم لايضرهم من خالفهم حتٰی تاتيهم الساعة و هم علی ذالک۔

"میری امت کا ایک گروہ مسلسل جہاد کرتا رہے گا، اللہ کے احکامات کی تعمیل کرتا رہے گا، اپنے دشمنوں کو شکست دیتا رہے گا اور اُنھیں کوئی مخالفت کرنے والے نقصان نہ پہنچا سکے گا حتیٰ کہ قیامت آ جائیگی۔"
(صحیح مسلم۔ رواہ الحاکم۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔)

اِس حدیث میں "طائفہ منصورۃ" کی جو خصوصیات بیان ہوئی ہیں وہ یہ ہیں:

1۔ یہ لوگ ایک گروہ یا گروپ (طائفة) کی صورت میں ہوں گے جو نیک کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کر رہے ہوں گے۔

2۔ "یقاتلون علی امر الله" یعنی اللہ کے راستے میں لڑنا اِس گروپ کی ایک نمایاں خصوصیت ہوگی جو اِس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ اِس سے اندازہ لگایا جا سکتا

ہے کہ کون بندہ دینِ اسلام کے لیے کتنا مخلص ہے۔

3۔ ''اُنھیں کسی کی مخالفت نقصان نہ پہنچا سکے گی'' جس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے دنیا پرست اور آسانی پسند مسلمان اِس گروہ کی مخالفت کریں گے لیکن اِس گروہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

4۔ ''یہ اپنے دشمنوں پر فتح مند ہوں گے'' اِس سے یہ مراد نہیں کہ یہ لوگ اپنے دشمنوں کے خلاف ہر جنگ میں ضرور کامیاب ہوں گے (آخر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو بھی کبھی کبھی شکستیں کھانا پڑی ہیں)۔ اصل میں ''طائفہ منصورۃ'' کی خصوصیت یہ ہوگی کہ یہ دینِ اسلام کی حفاظت کرنے اور جہاد فی سبیل اللہ کرنے میں کامیاب رہے گا حتیٰ کہ اِنھیں موت آجائے اور اِن کی ملاقات اللہ سے ہو جائے۔ اِس کا مطلب ہے کہ طائفة منصورة کبھی باطل سے سمجھوتہ نہیں کرے گا اور کبھی باطل کے سامنے کمزوری نہیں دکھائے گا۔

5۔ مجاہدین ہی شرعی بنیادوں پر سرخروں ہوں گے اور اُن کا منہج ہی عین دین اسلام ثابت ہوگا جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَلَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَاوَأَهُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (صحیح مسلم: ج:10، ص: 41، رقم الحدیث: 3549)

''اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اُسے دین کی سمجھ دے دیتا ہے اور (جو دین کی بات کو سمجھ گیا تو اُس سے یہ بات مخفی نہیں) کہ قیامت تک مسلمانوں میں سے ایک جماعت حق پر لڑتی رہے گی اور اپنے سے الجھنے والوں پر غالب رہے گی۔''

موجودہ زمانے کے مسلمانوں پر جہاد کا شرعی حکم

علمائے اسلام کا اِس بات پر اجماع ہے کہ جب کفار کسی بھی اسلامی ملک میں داخل ہو جائیں تو اُس صورت میں جہاد فرض عین ہو جاتا ہے کہ جس سے پیچھے رہنا جائز نہیں جبکہ اِس سے قبل یہ فرض کفایہ تھا اور اِس اجماع کو تمام مذاہب کے تمام فقہاء نے نقل کیا ہے۔

احناف کے عظیم عالم علاء الدین ابو بکر الکاسانی اپنی شہرہ آفاق کتاب **بدائع الصنائع** (97/7) میں لکھتے ہیں:

''اگر دشمن نے حملہ کیا اور جہاد میں نکلنے کی عام منادی ہوئی، تو یہ فرض عین ہوگا۔ مسلمانوں کے ہر اُس شخص پر جہاد فرض ہوگا کہ جو اُس کی قدرت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے: آیت: (**انفروا خفافا وثقالا** ......)

ترجمہ: ''نکل کھڑے ہو جاؤ ہلکے پھلکے ہو تو بھی ......'' (سورۃ التوبہ: 41)

کہا گیا کہ یہ عام نکلنے (نفیر) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ:

آیت: (**ما كان لاهل المدينة ومن حولكم من الاعراب ان يتخلفوا عن رسول الله ولا يرغبوا بانفسهم عن نفسه**......)

ترجمہ: ''مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش ہیں اُن کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ کو چھوڑ کر پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں،'' (سورۃ التوبہ :120)

اور چونکہ عام منادی سے قبل ہی ایسا وجوب تو ثابت ہے کہ جس میں بعض کے اُس پر عمل کرنے سے باقی لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے لیکن جب نکلنے کی عام منادی ہو تو پھر اُس (فریضے) پر عمل صرف اسی صورت میں ہوگا کہ جب تمام لوگ نکلیں۔ لہٰذا یہ مسلمانوں پر نماز اور روزہ کی طرح فرضِ عین ہو جائے گا کہ جس کے لیے غلام اپنے آقا کی اجازت

کے بغیر نکلے گی۔ کیونکہ فرضِ عین عبادتوں کے لیے غلام کو اپنے آقا سے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ نماز، روزے میں ہے۔ اور اسی طرح لڑکے کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے والدین کی اجازت کے بغیر نکلے کیونکہ والدین کا حق فرضی عبادات پر غالب نہیں ہوتا جیسے نماز، روزے میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔''

[بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (97/7) مطبوعہ بیروت، دار الکتب العربی، 1982ء]

اسی طرح مالکی علماء میں سے امام ابن عبدالبر الاندلسی اپنی کتاب الکافی میں فرماتے ہیں:

''یہ فرضِ عام متعین ہے ہر ایسے آزاد، بالغ پر کہ جو دفاع اور لڑائی کر سکے اور ہتھیار اُٹھا سکے اور یہ اُس صورت میں ہوگا کہ جب دشمن کسی اسلامی ملک پر حملہ کرتے ہوئے اُس میں داخل ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو اُس ملک کے رہنے والے تمام لوگوں پر جہاد واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اُٹھ کھڑے ہوں اور (دشمن کے مقابلے) کے لیے نکلیں خواہ وہ ہلکے ہوں یا بوجھل، نوجوان ہوں یا بوڑھے اور اُن میں سے کوئی شخص پیچھے نہ رہے کہ جو نکلنے کی طاقت رکھتا ہو خواہ ساز و سامان رکھتا ہو یا خالی ہاتھ ہو۔ اگر اُس ملک کے لوگ دشمن کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ جائیں، تو اُن کے قریب رہنے والوں اور پڑوسیوں ممالک کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ (اُن کی مدد کیلئے) نکلیں خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ، اُس ملک کی ضرورت کے مطابق حتیٰ کہ اُنہیں پتہ چل جائے کہ اب اُن میں دشمن کا مقابلہ اور اپنا دفاع کرنے کی طاقت ہے۔ اور اسی طرح ہر ایسا شخص کہ جسے دشمن کے مقابلے میں اُن کی کمزوری کا علم ہو اور وہ یہ بھی جانتا ہو کہ وہ اُن تک پہنچ کر اُن کی مدد کر سکتا ہے، تو اُس پر بھی اُن کی طرف نکلنا لازم ہو جائے گا کیونکہ تمام مسلمان اپنے دشمنوں کے خلاف ایک جسم کی طرح ہیں۔ البتہ اگر وہ علاقہ کو جہاں دشمن حملہ

آ ور ہوا اور اُس پر قبضہ کیا، وہاں کے لوگ دشمن کو پیچھے دھکیل دیں، تو اُس صورت میں یہ فرض باقی لوگوں سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر دشمن دارالاسلام کے قریب ہی آیا ہے ابھی وہاں داخل نہیں ہوا، تو بھی اُن پر (جہاد کے لیے) نکلنا لازم ہو جائے گا۔"

[ابن عبدالبر الاندلسی، کتاب الکافی (۲۰۵/۱)]

ایک اور جید مالکی عالم امام القرطبی اپنی تفسیر قرآن میں لکھتے ہیں:

"کسی ملک یا علاقے پر دشمن کے قبضے کے سبب جہاد متعین ہو جائے تو اُس صورت میں اُس ملک کے تمام لوگوں پر دشمن کے خلاف (جہاد کے لیے) نکلنا واجب ہو جاتا ہے خواہ وہ ہلکے ہوں یا بوجھل، نوجوان ہوں یا بوڑھے۔ جس کا باپ ہو، تو وہ اُس کی اجازت کے بغیر اور جس کا باپ نہ ہو وہ بھی نکلے اور جو کوئی بھی نکلنے کی قدرت رکھتا ہو وہ پیچھے نہ رہے خواہ ساز و سامان رکھتا ہو یا خالی ہاتھ ہو۔ اور اگر اِس ملک کے لوگ دشمن کے مقابلے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، تو اُن کے قریبی پڑوسیوں پر واجب ہوگا کہ وہ اُس ملک والوں کی ضرورت کے مطابق نکلیں حتیٰ کہ انہیں یقین ہو جائے کہ اب اُن میں دشمن کا مقابلہ اور دفاع کرنے کی قوت میسر ہو گئی ہے اور اسی طرح ہر ایسا شخص کہ جسے دشمن کے مقابلے میں ان کی کمزوری کا علم ہو اور وہ یہ بھی جانتا ہو کہ وہ ان تک پہنچ کر ان کی مدد کر سکتا ہے، تو ایسے شخص پر بھی ان کی طرف نکلنا لازمی ہو جاتا ہے کیونکہ تمام مسلمان اپنے دشمن کے خلاف ایک ہیں۔ البتہ جس علاقے میں دشمن داخل ہوا اور اُس نے اُس ملک پر قبضہ کر لیا، تو اگر اُسی کے رہائشی، دشمن کو پیچھے ہٹانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، تو اس صورت میں یہ فرض باقی لوگوں سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر دشمن اسلامی ملکوں کے قریب آیا مگر اس میں ابھی داخل نہیں ہوا، تو بھی اُن پر اُس (دشمن) کے خلاف نکلنا لازم ہو جائے گا حتیٰ کہ اللہ کا دین غالب ہو جائے اور مرکز اور سرحدیں محفوظ

ہو جائیں اور دشمن رسوا ہو جائے۔ اور اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں۔"

(امام ابو عبداللہ القرطبی، الجامع الاحکام القرآن ۸/۱۵۱ ، بیروت 1953ء)

شافعی علماء میں سے امام شرف الدین یحیٰی النووی **صحیح مسلم** کی شرح میں لکھتے ہیں:

"ہمارے شافعی علماء نے کہا کہ آج جہاد فرض کفایہ ہے مگر یہ کہ کفار، مسلمانوں کے کسی ملک پر حملہ کردیں، تو اُس صورت میں اُن پر جہاد لازم ہو جائے گا۔ اور اگر اُس ملک کے لوگ اِس کے لیے کافی نہ ہوں، تو پھر اس کفایت کو پورا کرنے کے لیے اُن کے قریبی لوگوں پر واجب ہو جاتا ہے۔"

[شرف الدین یحیٰی النووی، **شرح صحیح مسلم** ۸/۶۳]

حنبلی علماء میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ **الفتاویٰ الکبریٰ** میں بیان کرتے ہیں:

"جہاں تک دفاعی لڑائی کا معاملہ ہے تو یہ حملہ آور سے حرمت اور دین کے دفاع کی شدید ترین قسم ہے، جس کے واجب ہونے پر اجماع ہے لہٰذا ایسا حملہ آور دشمن جو کہ دین اور دنیا کو برباد کرتا ہے، ایمان کے بعد اُس کے مقابلے سے بڑا واجب عمل اور نیکی کا کام اور کوئی نہیں۔ لہٰذا اِس کے لیے کوئی شرط نہیں لگائی جائے گی بلکہ ہر ممکن طریقے پر دفاع کیا جائے گا اور اِس پر ہمارے علماء ساتھیوں اور دوسروں نے بھی بہت سے دلائل دیئے ہیں۔"

اور آپ نے مزید یہ بھی فرمایا:

"جب دشمن، اسلامی ملک میں داخل ہو جائے گا تو اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ اُس کے قریبی لوگوں پر اُس کا دفاع کرنا واجب ہے، پھر اُن کے قریبی لوگوں پر کیونکہ تمام

اسلامی ملک ایک ہی ملک کا درجہ رکھتے ہیں اور یہ کہ اس کی طرف (جہاد کے لیے) والد اور قرض خواہ کی اجازت کے بغیر نکلنا واجب ہے۔اور اس بات پر امام احمد کے دلائل (نصوص) واضح ہیں۔''

[شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ، الفتاوىٰ الکبرىٰ، الاختیارات العلمیہ ۴/۵۴۰]

[خلاصہ کلام یہ کہ اِس (شرعی) حکم پر اجماع ہے۔ جسے تفصیل چاہیے اُسے ''الشرح الکبیر'' پر امام الدسوقی کے حاشیے (۲/۱۷۴) کا مطالعہ کرنا چاہیے۔مزید برآں، امام ابن عابدین کا حاشیہ مغنی المحتاج (۳/۲۳۷)، امام الشربینی کی مغنی المحتاج (۴/۲۰۹)،اور امام الشافعی کی کتاب الام (۴/۱۰۷) اور امام ابن النحاس کی مشارع الاشواق الیٰ مصارع العشاق (۱/۱۰۱)، (نهاية المحتاج ۵/۵۸) اور فقہ حدیث کی تمام کتابیں اِس (شرعی) حکم کے ذکر سے بھری پڑی ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔]

امام ابن جریر الطبری نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"ومن يتولهم منكم فانه منهم ان الله لايهدى القوم الظالمين٥"

ترجمہ: ''......تم میں سے جو بھی ان میں کسی سے دوستی کرے گا وہ بے شک اُنہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا۔'' (سورۃ المائدہ۔۵۱)

چنانچہ جو شخص مومنوں کے خلاف اُن (کفار) کی مدد کرتا اور اُن سے دوستی کرتا ہے، تو وہ اُنہی کے دین وملت پر ہے کیونکہ کوئی بھی کسی کو صرف اُسی صورت میں دوست بناتا ہے کہ جب وہ اُس سے، اُس کے دین اور جس (نظریے) پر وہ ہے، اُس سے راضی ہوتا ہے اور جب وہ اُس سے اور اُس کے دین سے راضی ہوا تو اُس نے (گویا) اُس کی دشمنی کی کہ جو اُس (اس کے دوست) خلاف ہو اور اسے ناراض کرے۔اِس طرح اُس کا (شرعی) حکم بھی اُس (کے دوست) کے (شرعی) حکم جیسا ہی ہوگا۔

[ابوجعفر ابن جریر طبریؒ جامع البیان فی تاویل القرآن (۶/۱۶۰)، بیروت 1992ء]

آج مسلمانوں کے لئے غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا اسلامی خلافت کے خاتمے کے بعد دشمن اسلامی ملکوں میں ایک ایک کر کے داخل نہیں ہو چکا ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اسلام اور صلیبی افواج کے درمیان جس وسیع ترین اور سخت ترین جنگ (Armagedon) کے لئے عراق، پھر افغانستان اور اب شام میں جہاد کے ذریعے آج جو اسٹیج تیار ہو رہا ہے، اُس کے لیے پوری امتِ مسلمہ پر کیا جہاد اب بھی فرض نہیں ہوا؟

؎ دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

اللہ کی مدد قریب ہے!!!

اُخروی کامیابی اور دنیاوی فتح ونصرت اہل ایمان ہی کا مقدر ہے ۔ یہ اللہ ربُّ العزت کا وعدہ ہے اور قرآن کا فیصلہ ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے تبدیل کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں، ''لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللہ'' ! یہ تو ممکن ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اہل ایمان کی آزمائش کا عرصہ طویل ہو جائے ، ''یہاں تک کہ رسول اور اُس کے اہل یمان ساتھی بھی پکار اُٹھیں کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟''لیکن یہ ممکن نہیں کہ صبر وآزمائش کے اِس مرحلے کے بعد انجامِ کار کفار و فجار کے حق میں رہے کیونکہ ''وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْن ''! مسلمانوں کو مایوس نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے ۔

اسلام غلبے سے پھیلتا ہے، منت سماجت سے نہیں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت آنے کے بعد مکہ میں 13 سال تک اسلام کی تبلیغ کی ۔ مکہ کے لوگوں اور سرداروں کو نہایت شفقت اور عاجزی کے ساتھ اسلام کی طرف بلایا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کی تعداد 150 سے زیادہ نہ ہو سکی ۔ اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے ۔ پھر 8 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 10,000 صحابہ کرام کو، جن کے ہاتھوں میں تیز دھار تلواریں تھیں، ساتھ لے کر مکہ پر چڑھائی کی اور اُس کو فتح کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبے کے اندر جا کر سارے بتوں کو(جن کی تعداد 360 تھی) منہ کے بل نیچے پھینکا اور کفار کے جھوٹے معبودوں کو خاک میں ملا دیا تو اُس کے

نتیجے میں ایک دن میں تمام مکہ کے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا جن کی تعداد 2000 تھی۔ اِس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ مکہ والوں کو اوّل روز سے اِس بات کا علم تھا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس بات کا پیغام مکہ میں نبوت آنے کے بعد دے رہے تھے وہ حق تھا لیکن وہ لوگ اسلام قبول نہیں کر رہے تھے کیونکہ مکہ میں مسلمان کمزور تھے اور انسان کی فطرت (Human Nature) کچھ اِس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ انسانوں کی اکثریت چڑھتے سورج کی پجاری ہوتی ہے۔انسان اپنے آپ کو طاقتور کے ساتھ منسوب کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، کمزور کے ساتھ تعلق قائم کرنے کو پسند نہیں کرتے۔ یہی کام مکہ والوں نے کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی 13 سالہ تبلیغ سے وہ لوگ اسلام کی حقانیت پر ایمان نہ لائے لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طاقت کا استعمال کیا اور جہاد کے ذریعے اُن پر غلبہ حاصل کیا، اُن کے جھوٹے خداؤں کو بزورِ شمشیر مٹی میں ملادیا تو تب جا کر کہیں اُن مکہ والوں کی آنکھوں کے آگے سے گمراہی اور کفر کا پردہ ہٹا۔یہی وجہ ہے کہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

بعثت بین یدی الساعة بالسیف حتّٰی یعبداللہ وحده لاشریک له.... (مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبة، شعب الایمان)

''مجھے قیامت تک کے لئے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، یہاں تک کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی جانے لگے......''

بلاشبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کی گردن پہ تلوار رکھ کر اُسے کلمہ پڑھنے پر مجبور نہیں کیا، لیکن یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ یہ جہاد ہی کا اثر اور تلوار کا رعب تھا کہ وہ مشرکینِ مکہ جو 21 برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنے رہے جو مکہ مکرمہ میں 13 برس تک آیاتِ قرآنی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سننے کے باوجود اسلام قبول کرنے سے انکاری رہے، جب اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں دس ہزار (10,000) صحابہ کرام ؓ کے لشکر کو مکہ میں داخل

ہوتے دیکھا تو اپنے کفر کو ترک کر کے جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام جہاد سے پھیلتا، طاقت سے پھیلتا ہے، منت سماجت سے نہیں پھیلتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وقت کی سپر پاورز یعنی ایران کی حکومت، مصر کی حکومت اور روم کی حکومت کو تبلیغ اسلام کے خطوط لکھے لیکن اُن میں سے کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مبارک چاک کر دیا (مثلاً کسریٰ ایران کے بادشاہ نے) تو کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط کے جواب میں صرف تحائف بھیج دیئے (مثلاً مقوقس شاہ مصر) لیکن اسلام قبول نہ کیا اور کسی نے تحقیق کرنے کے بعد اور جان لینے کے بعد بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں، خاموشی اختیار کر لی (مثلاً ہرقل بادشاہِ روم نے ابوسفیان کا انٹرویو لیا)۔ اُن سپر پاورز کے عوام نے اسلام آخر تب ہی قبول کیا جب صحابہ کرامؓ نے اُن سپر پاورز کے خلاف جہاد کر کے اُن کے تکبر کو خاک میں ملا دیا۔ تب کہیں جا کر ایران، مصر، عراق اور بلادِ شام کے غیر مسلموں نے جوق در جوق اسلام قبول کیا۔

اسی طرح جب تاتاریوں نے مشرق وسطیٰ اور روس کی مسلم ریاستوں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا اور حد یہاں تک ہو گئی کہ جب چنگیز خان کو پتہ چلا کہ چند مسلمان شہروں میں جہاں تاتاریوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا وہاں بعض زخمی مسلمان مرد عورتیں زندہ بچ گئے تو اُس نے نیا حکم نامہ جاری کیا کہ جب بھی تاتاری فوجی کسی مسلمان مرد، کسی مسلمان عورت یا کسی مسلمان بچے کو قتل کریں تو اُن کا سر جسم سے لازمی جدا کریں تاکہ اُن کے مرنے کا یقین ہو جائے۔ اُس کے بعد تاتاری فوجی جس مسلم ریاست پر حملہ کرتے تو وہاں پر مسلمانوں کی کھوپڑیوں کے پہاڑ بن جاتے جیسا کہ ابن اثیر نے "تاریخ الکامل" میں بیان کیا ہے۔ چونکہ اُن مسلمانوں نے جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیا تھا اِس لئے تاتاریوں کے دلوں میں اُن کا کوئی رعب نہیں رہا تھا۔ تاتاریوں کی اِن غارتگریوں کی انتہاء سقوطِ بغداد پر 1258ء عیسوی میں ہوئی۔ عباسی خلیفہ مُسْتَعْصِم باللہ نے اپنے

رافضی وزیراعظم **ابن علقمی** کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے بغداد کی مسلم فوج کی تعداد کو سوا لاکھ سے گھٹا کر صرف دس ہزار کر دیا کیونکہ وہ جہاد کو ضروری نہیں سمجھتا تھا اور اپنے آپ کو سب سے طاقتور سلطنت کا خلیفہ سمجھتا تھا (جو صرف اُس کی خوش فہمی تھی)۔ **ابن علقمی** نے خلیفہ **مستعصم باللہ** کو یہ تسلی بھی دی ہوئی تھی کہ فکر نہ کرو، جب تاتاریوں کی فوج بغداد پر حملہ آور ہوگی تو مسلمان عورتیں اور بچے اُس فوج پر پتھر پھینکیں گے تو اُس سے تاتاری فوجی بھاگ جائیں گے۔موجودہ دور کے بعض مسلم حکمرانوں کی طرح پیسے کی محبت میں خلیفہ **مستعصم باللہ** اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ اُس نے **ابن علقمی** کی اِس بیوقوفانہ نصیحت پر یقین کر لیا۔ جب تاتاریوں نے بغداد کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو ایک دن خلیفہ **مستعصم باللہ** اپنے محل میں اپنی ایک کنیز کا ناچ گانا دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں محل کی کھڑکی کے باہر سے کسی تاتاری فوجی کا پھینکا ہوا تیر آیا جو بادشاہ کی اُس لونڈی کو لگا جو خلیفہ کے سامنے ڈانس کر رہی تھی۔کنیز فوراً مر گئی تو خلیفہ **مستعصم باللہ** آگ بگولا ہو گیا اور اُس نے حکم دیا کہ محل کی کھڑکیوں پر موٹے کپڑے کے پردے لگا دیئے جائیں۔ (بحوالہ: البدایہ والنہایۃ)۔

جب ہلاکو خان نے بغداد کو فتح کر لیا تو اُس نے **مستعصم باللہ** کو قتل کرنے سے پہلے کچھ روز قید میں رکھا۔ جب **مستعصم باللہ** نے جیل میں ہلاکو خان کو پیغام بھجوا کر اپنے لیے کھانا مانگا تو ہلاکو خان نے سونے کی اشرفیوں (gold coins) کا ایک ٹرے اُس کو بھیجا۔ **مستعصم باللہ** نے کہا کہ وہ سونے کی اشرفیوں کو کیسے کھائے۔ یہ سُن کر ہلاکو خان نے خلیفہ **مستعصم باللہ** کو پیغام بھجوایا: ''اگر تُو اِس سونے کو کھا نہیں سکتا تھا تو اسے جمع کیوں کیا تھا۔تُو نے یہ سونا مسلمان فوجیوں کو جہاد کے لئے تیار کرنے کے لئے آخر کیوں استعمال نہ کیا؟'' بالآخر ہلاکو خان نے خلیفہ **مستعصم باللہ** کو ایک بوری میں بند کیا اور اُسے گھوڑوں کے نیچے کچل کر قتل کر دیا۔دلچسپ بات یہ ہے کہ آج پاکستان اور بعض دیگر اسلامی ممالک کے حکمران بھی خلیفہ **مستعصم باللہ** کی طرح ملک کی دولت سمیٹ کر سوئیٹزرلینڈ کے بینکوں میں بھجوا دیتے ہیں

حالانکہ یہ حرام کا چوری کیا ہوا پیسہ آخر میں نصیب اُنھیں بھی نہیں ہوتا جس طرح **مستعصم باللہ** کو نصیب نہیں ہوا تھا۔

بہر حال بغداد کی تباہی کے بعد منگولوں نے اسلام کے آخری قلعے یعنی مصر کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ مصر پر اُس وقت مملوکوں کی حکومت تھی جو کہ ترکی النسل غلام رہ چکے تھے۔ وہ لوگ اپنے بچپن اور جوانی میں غلام رہنے کی وجہ سے جفاکش اور مجاہدانہ زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ وہ لوگ اُس طرح کی سھل پسند اور آرام طلبی کی زندگی گزارنے کے شوقین نہ تھے جس طرح کی آرام طلبی والی زندگی آج کے مسلمان مرد حضرات ہو چکے ہیں۔ شاہ مظفر **قُطُوز** اور اُس کا سنہرے بالوں اور نیلی آنکھوں والا جرنیل **ملک الظاھر بِیبَرَس** اسلام کی تعلیمات پر مکمل عمل کرنے والے اور علماء کی بے پناہ عزت کرنے والے لیڈر تھے۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ (سلطان المشائخ) سے مشورہ کر کے ہر قدم اُٹھاتے تھے۔ **ملک الظاھر بِیبَرَس** کو بچپن میں افغانستان اور ترکی کے بارڈر پر تاتاریوں نے پکڑ کر غلام بنالیا تھا اور شام کے علاقے میں بیچ دیا تھا۔ تاتاریوں کو کیا پتہ تھا کہ وہ جس خوبصورت بچے کو پکڑ کر اور غلام بنا کر بازار میں بیچ رہے ہیں وہی بچہ (حضرت یوسفؑ کی طرح) ایک دن حکمران بن جائے گا، پھر وہی لڑکا ایک دن تاتاریوں کو ایسی بُری شکست دے گا کہ ساری دنیا یاد کرے گی۔

شام کے علاقے میں بطور غلام کے بکنے کے بعد **ملک الظاھر بِیبَرَس** وہاں سے سلطان ملک الصالح کا باڈی گارڈ مقرر ہوا اور پھر اپنی قابلیت کی وجہ سے ترقی کرتے کرتے مصری فوج کا جرنیل بن گیا۔ جب تاتاریوں نے اپنی پوری قوت کے ساتھ مصر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو شاہ مظفر قطوز اور **ملک الظاھر بیبرس** نے سُنتِ نبوی پر عمل کرتے ہوئے اپنے شہر میں رہ کر لڑنے کی بجائے آگے بڑھ کر "عین جالوت" کے مقام پر تاتاریوں سے جہاد کرنے کا فیصلہ کیا۔ (یاد رہے کہ اِس سے پہلے تاتاریوں نے جن جن مسلم ریاستوں پر حملہ کیا وہاں کے مسلمانوں نے

جہاد کو چھوڑ دیا تھا اور اُنھوں نے اپنے ہی شہروں کے اندر یا شہر کے سامنے تاتاری فوجوں سے مقابلہ کیا اور اُن سب کو تاتاریوں نے نہایت بھیانک اور دردناک شکستیں دیں۔ ہر جنگ میں تاتاریوں نے کئی کئی لاکھ مسلمانوں کو قتل کیا)۔

جس طرح ہمارے دور میں کبھی کسی مسلمان ملک کو یہ دھمکی دی جاتی ہے کہ اگر تم نے ہمارا مقابلہ کرنے یا اپنے ہمسائے اسلامی ملک کی مدد کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھو کہ ہم تمھیں بمباری کر کے ''پتھر کے دور'' (stone ages) میں پہنچا دیں گے جسے سُن کر ہمارے منافق حکمران ڈر جاتے ہیں، اُس طرح اُس دور میں مصر پر حملہ کرنے سے پہلے ہلاکو خان نے مصر کے بادشاہ سیف الدین مظفر قطوز کو ڈرانے کے لئے ایک متکبرانہ خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے:

> ''مشرق اور مغرب کے شہنشاہ ہلاکو خان کی طرف سے قُطُوز غلام کے نام جو ہماری تلوار سے بچ کر بھاگا۔ تمھیں یہ سوچنا چاہیے کہ باقی اسلامی ریاستوں کا انجام کیا ہوا اور ہمارے آگے ہتھیار پھینک دینے چاہئیں۔ تمھیں پتہ چل گیا ہوگا کہ کس طرح ہم منگولوں نے اتنی بڑی (مسلم) سلطنت کو فتح کر لیا اور کس طرح ہم نے زمین کو گندگی (یعنی مسلمانوں) سے پاک کر دیا۔ ہم نے وسیع علاقے فتح کئے اور وہاں کے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ تم ہماری فوجوں کی دہشت سے بچ نہ سکو گے۔ تم بھاگ کر جا بھی کہاں سکتے ہو؟ تم ہمارے سے بھاگنے کا کون سا راستہ لو گے؟ ہمارے گھوڑے بہت تیز رفتار ہیں، ہمارے تیر بہت تیز دھار، ہماری تلواریں بجلی کی کڑک کی طرح ہیں، ہمارے دل پہاڑوں کی طرح سخت، ہمارے تاتاری فوجیوں کی تعداد ریت کے ذروں جتنی ہے۔ مضبوط قلعے ہمیں روک نہیں سکتے، نہ ہی ہتھیار ہمارے آگے ٹھہر سکتے ہیں۔ ہمارے خلاف تمھاری اللہ سے کی گئی دعائیں تمھیں کچھ فائدہ نہ دے سکیں گی۔ آنسو ہمارے دلوں کو نرم نہیں کر سکتے۔ صرف

وہی لوگ ہمارے غضب سے بچ سکتے ہیں جو ہمارے سے امن کی بھیک مانگیں۔خط کے جواب میں جلدی کرو کہ کہیں جنگ شروع نہ ہو جائے۔اگر ہمارے سے مقابلہ کرنے کی ہمت کی تو نتائج بہت بھیانک ہوں گے۔ہم تمھاری مسجدوں کو تباہ کر دیں گے اور تم پر یہ ثابت کر دیں گے کہ تمھارا اللہ بہت کمزور ہے۔ پھر ہم تمھارے بچوں اور بوڑھوں کو ایک ساتھ قتل کریں گے۔اِس وقت تم ہی اکیلے دشمن رہ گئے ہو جس کے خلاف ہم چڑھائی کرنے لگے ہیں۔'' (1)

1) Tschang, David W. "Saudi Aramco World: History's Hinge: Ain-Jalut". vol. 58, No.4 (July/Aug 2007)

سلطان سیف الدین قطوزؒ کہاں ڈرنے والا تھا، اُس نے بہادر مسلمان ماں کا دودھ پیا ہوا تھا۔چنانچہ سلطان سیف الدین قطوزؒ نے ہلاکو کے متکبرانہ خط اور اللہ تعالٰی کے خلاف بکواس کے جواب میں منگولی ایلچیوں کو قتل کر کے اُن کے سر قاھرہ کے قلعے کے باب زویلا کے سامنے لٹکا دیئے جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان جہاد کریں گے اور تاتاریوں کے آگے نہیں جھکیں گے (برخلاف آج کی مسلمان حکومتوں کے جو نہ صرف غیر مسلم طاقتوں کے آگے جھکتی ہیں بلکہ لیٹ جاتی ہیں اور اُنھیں کھلی اجازت دیتی ہیں کہ وہ مسلم ممالک کی فضا کو استعمال کریں اور ڈرون حملوں سے معصوم بچوں عورتوں اور بے گناہ شہریوں کو قتل کر کے ''ریاستی دہشت گردی'' کریں)۔ سلطان قطوز اور ملک بیبرس نے تاتاری افواج کا مقابلہ کرنے کے لیے مصر سے باہر بہت دور ''عین جالوت'' کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ہلاکو خان نے اپنے سب سے تجربہ کار جرنیل کتبغا نوران (جس نے پچھلے کئی معرکوں میں لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا تھا) کی قیادت میں بیس ہزار تاتاریوں کی فوج بھیجی جس میں 500 سسلی اور آرمینیا کے صلیبی عیسائی جنگجو گھوڑسوار (Knights) بھی شامل تھے۔یوں یہ ''منگول عیسائی اتحاد'' تھا (جس طرح آج ''بھارت اسرائیل گٹھ جوڑ'' ہے یا دیگر غیر مسلموں کا مسلمانوں کے خلاف نیٹو

اتحاد NATO وغیرہ)۔

جب مرکزی مسلم افواج دشمن کی افواج کے نزدیک پہنچیں تو سیف الدین قطوز نے میدان جنگ خود منتخب کیا جو کہ ایک وادی میں تھا جس کو پہاڑوں نے گھیرا ہوا تھا۔اُس نے اپنے کچھ سپاہی پہاڑوں پر تعینات کیے تا کہ اگر صلیبی یا منگول یا غدار دھوکہ سے پیچھے کی طرف سے حملہ کریں تو دفاع کیا جا سکے۔

تا تاری افواج آخر کار میدان جنگ میں پہنچ گئیں جو کہ تینوں طرف سے گھرا ہوا تھا۔معرکہ آرائی شروع ہوئی اور جنگ کے شروع میں توازن تا تاری افواج کی طرف جھکتا نظر آیا۔ تا تاری افواج کا دایاں بازو، مسلم افواج کے بائیں بازو پر غالب آنا شروع ہو گیا۔ مسلمان افواج نے پسپا ہونا شروع کر دیا۔یہ منظر دیکھ کر سلطان سیف الدین قطوزؒ ایک چٹان پر چڑھ گیا اور اپنے سر سے حفاظتی خود پھینک دیا اور پکار کر اپنی افواج کو لڑتے رہنے کی تاکید کی اور تلقین کی کہ اللہ کے دشمنوں سے جنگ میں پیچھے نہیں ہٹیں ۔مایوس ہوتی ہوئی مسلم افواج کے سرداروں نے اپنے رہنما کی طرف دیکھا کہ کس طرح اُن کا لیڈر سلطان سیف الدین قطوزؒ اپنے سر سے خود اُتارے ہوئے دیوانہ وار تلوار چلا رہا تھا اور دشمن کی صفوں کے درمیان گھس کر کشتوں کے پشتے لگا رہا تھا۔سلطان سیف الدین قطوزؒ کی جرات نے مسلم افواج کے سرداروں کو دم بخود کر دیا اور اُنھوں نے فوراً سلطان سیف الدین قطوزؒ کی پیروی کی اور مسلم افواج کا حوصلہ بحال ہو گیا۔

کچھ ہی لمحوں میں پانسہ مسلم افواج کے حق میں پلٹ گیا۔تا تاری افواج منتشر ہونا شروع ہو گئیں اور اُن کی ایک قابل ذکر تعداد ہلاک ہو گئی یا گرفتار ہو گئی۔تا تاری افواج کا سردار کتبغا نوران مارا گیا اور اُس کا بیٹا بھی گرفتار ہو گیا۔تا تاری افواج کا کوئی بھی فرد قتل یا گرفتار ہونے سے نہ بچ سکا کیونکہ جو تا تاری اُس میدان جنگ سے بھاگ گئے وہ شام میں مارے

گئے۔ کچھ تا تاری جنگل میں چھپ گئے تو سلطان قطوز نے جنگل کو آگ لگا دی جس سے وہ تا تاری جل کر خاک ہو گئے۔ بھاگنے والے تا تاریوں کا ملک بیبرس نے 200 میل تک گھوڑوں پر پیچھا کیا اور انھیں بالآخر اُنھیں قتل کر دیا۔ اب سے پہلے تک مسلمانوں میں یہ محاورہ مشہور تھا: ''اگر کوئی کہے کہ تا تاری ہار گئے ہیں تو اُس کی بات کا یقین نہ کرنا۔'' رمضان کے مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تا تاریوں کے خلاف پہلی عظیم فتح سے نوازا۔ اب جبکہ عین جالوت کی جنگ میں مسلمانوں کو پہلی بار ایسی شاندار فتح کی خبر مسلمانوں کو پہنچی تو مسلمان خوشی سے سرشار ہو گئے۔ انہوں نے تا تاریوں پر حملے شروع کر دیئے اور اسی سال منگولوں کو حمص سے بھی بے دخل کر دیا۔ مملوکوں نے آسانی سے شام کو کچھ ہی ہفتوں میں آزاد کرا لیا۔

اب تا تاریوں کو پتہ چلا کہ اصل اسلامی جہاد کیا ہے کیونکہ عین جالوت کی جنگ سے پہلے تا تاریوں کا واسطہ صرف آرام و آسائش پسند اور جہاد سے بھاگنے والے مسلمانوں سے پڑا تھا جنھیں تا تاریوں نے بڑی آسانی سے لاکھوں کی تعداد میں قتل کر لیا تھا۔ چنانچہ عین جالوت کی جنگ میں مسلمانوں کی واضح فتح کے بعد اب وسطی ایشیاء کی کئی ریاستوں کے تا تاری سرداروں نے اسلام قبول کر لیا اور اُنھوں نے مصر کے مملوک سلطان **ملک الظاہر بیبَرس** سے خفیہ رابطے شروع کر دیئے حتیٰ کہ ہلاکو خان کے اپنے کزن برکی خان نے بھی اسلام قبول کر لیا اور اُس نے ہلاکو خان کے لئے ایک مصیبت کھڑی کر دی۔

چونکہ مصر کے مسلمانوں نے جہاد کو نہیں چھوڑا تھا اور باقی مسلم ریاستوں کی طرح منگولوں کے آگے ہتھیار ڈال کر ذلت کی موت مرنا پسند نہ کیا تھا بلکہ آگے بڑھ کر منگولوں سے عین جالوت کے مقام پر جہاد کیا تھا اس لئے اللہ کی غیبی مدد اُن کے لیے آئی اور مسلسل آئی۔ ہوا یوں کہ عین جالوت میں منگولوں کی شکست فاش کے بعد ہلاکوں خان نے غضبناک ہو کر مصر کے مسلمانوں پر 1262ء میں دوبارہ حملہ کرنے کے لیے فوج تیار کی۔ لیکن ہلاکوں خان یہ بات بھول گیا تھا کہ جب مسلمان خالص اللہ کے لئے جہاد کرتے ہیں تو اللہ کی طرف سے اُن کی خاص مدد بھی ہوتی

ہے۔چنانچہ یہی ہوا کہ اللہ نے مسلمانوں کی غیب سے مدد کی۔ہلاکوں خان کے اپنے کزن برکی خان ؒ (جس نے اسلام قبول کرلیا تھا) نے اسلام قبول کرنے کے بعد یہ قسم کھائی کہ وہ ہلاکوخان سے بغداد کے مسلمانوں کے قتلِ عام کا انتقام لے گا۔ برکی خان نے شمال سے ہلاکوخان کی افواج پر حملے شروع کر دیئے جس کی وجہ سے ہلاکوخان کو مصر اور شام پر حملہ کرنے کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ 1263ء میں قوقاز کے شمال میں ہلاکوخان کی فوج کو برکی خان ؒ کی فوج کے مقابلے میں بری طرح شکست ہوئی۔اُس کے بعد پھر ہلاکوخان کبھی سنبھل نہ سکا۔

یہ سب اللہ کی سچے مومنین کے لیے مدد تھی جس کا وعدہ اُس نے قرآن میں بار بار فرمایا ہے۔آج یہ سوال ہر مسلمان کے ذہن میں آتا ہے کہ آخر اللہ کی مدد کیوں نہیں آرہی؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ آج بھی اگر مسلمان اللہ کے راستے میں قربانی کے لئے تیار ہو جائیں تو اللہ کی مدد ضرور آئے گی بالکل اُسی طرح جس طرح عین جالوت کے مسلمانوں کی اللہ نے بظاہر ناممکن حالات میں مدد کی:

آج بھی ہو ابراہیم جیسا ایماں پیدا
آگ بھر سے کر سکتی ہے وہی اندازِ گلستاں پیدا

(اقبال)

اللہ کی مدد قریب ہے اگر ہم گناہوں سے بچیں گے

اگر ہم اسلامی تاریخ کے صفحات پلٹیں تو ہم دیکھیں گے کہ مسلمانوں کو فتح کبھی بھی صرف دشمن سے عسکری برتری کی بنا پر نہیں ہوئی۔مسلمانوں کو فتح ہمیشہ دشمن کے مقابلے میں ایمانی برتری کی بنا پر ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے بعض نہایت فیصلہ کن معرکے اور جنگیں رمضان المبارک میں ہوئے کیونکہ رمضان روحانی برتری کا مہینہ ہے۔خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق ؓ نے سعد بن ابی وقاص ؓ کو جنگ قادسیہ کا سپہ سالار بنا کر روانہ کرنے سے

پہلے جو نصیحتیں کیں اُن میں سے ایک نصیحت یہ تھی۔

''میری نصیحت کو یاد رکھنا کیونکہ تم کو ایک نہایت شدید اور ناگوار صورت حال کا مقابلہ کرنا ہے جس سے سوائے حق پرستی کے چھٹکارا ناممکن ہے۔تم خودکواور اپنے ساتھی مجاہدین کو نیکی کرنے کا شوقین بناؤ۔ مجھے تم لوگوں کی دشمن کے مقابلے میں تعداد میں کمی کا ڈر نہیں ہے بلکہ گناہوں میں بڑھ جانے کا ڈر ہے(کیونکہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کی مدد نہیں آیا کرتی)۔اسلئے معصیت سے اجتنات کرنا۔''

(تاریخ طبری۔ البدیه و النهایة)

یہی وجہ ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی فوج میں ابو محجن ثقفیؓ ایک بڑے بہادر آدمی تھے لیکن اُن کی شراب نوشی کی غلطی کی وجہ سے سعدؓ نے انھیں قید کر دیا تھا۔ پھر ابو محجن ثقفی نے اپنے اِس گناہ سے اللہ کے حضور سچی توبہ کر لی۔

آج مسلمانوں کی غیر مسلموں کے مقابلے میں اکثر جنگی محاذوں میں شکست کی دو ہی بڑی وجوہات ہوتی ہیں۔ایک، مسلمانوں کے گناہ غیر مسلموں کے برابر ہوتے ہیں۔ دوسرے، اپنے مسلمان بھائی مسلمانوں کے خلاف غداری کر جاتے ہیں۔ جب 1960ء کی دھائی میں مصری دہریہ صدر جمال عبدالناصر کی سوشلسٹ مصری فوج کا اسرائیل کی فوج سے مقابلہ ہوا تو اسرائیل نے مصری فوج کو شکست فاش دی۔ جب اسرائیلیوں نے صحرائے سینا میں مصری چوکیوں پر قبضہ کیا تو انھیں مصری جرنیلوں کی قیام گاہوں سے شراب اور عریاں عورتوں کے رسالے (Pornograghic magazines) ملے۔چونکہ یہ جنگ اسلام اور یہودیت کی نہیں بلکہ عرب سوشلسٹ مصریوں اور یہودیوں کے درمیان تھی اور چونکہ یہودیت بہر حال سوشل ازم سے بہتر ہے اس لئے جیت اس جنگ میں اسرائیل کی ہوئی۔

سورہ النصر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے میرے استاد شیخ عبدالرحمٰن کاشمیری نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

'' آج فلسطینیوں اور یہودیوں کے گناہ ایک جیسے ہیں، اسی لیے فلسطینیوں کو فتح حاصل نہیں ہورہی۔ میں نے CNN پر ایک یہودی اور ایک فلسطینی کا انٹرویو دیکھا، یہودی نے بڑی داڑھی رکھی ہوئی تھی جبکہ فلسطینی نے جین کی پینٹ پہن رکھی تھی اور وہ کلین شیو تھا۔ مجھے پہلے محسوس ہوا کہ وہ یہودی کوئی مسلمان ہے کیونکہ اُس یہودی کی وضع قطع مسلمانوں والی تھی جبکہ مسلمان کا حلیہ کفار والا۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کو غیر مسلموں پر برتری اور فتح کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ ''

اقبال نے سچ ہی فرمایا تھا:

ع وضع میں تم ہو نصاری تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود

اور اسی قسم کے مسلمانوں اور انکے حکمرانوں کے متعلق امیر السلام ہاشمی صاحب نے ظریفانہ انداز میں اپنے اشعار میں کہا تھا:

دیکھو تو ذرا محلوں کے پردوں کو ہٹا کر
شمشیر و سناں رکھی ہے طاقوں میں سجا کر
آتے ہیں نظر مسندِ شاہی پہ رنگیلے
تقدیر اُمم سو گئی طاؤس پہ آکر
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

مکاری وغداری و عیاری و ہیجان

اب بنتا ہے اِن چار عناصر سے مسلمان
قاری اُسے کہنا تو بڑی بات ہے یارو
اُس نے تو کبھی دور سے دیکھا نہیں قرآن
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

(امیر السلام ہاشمی)

''ڈروں حملوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا''

مغربی ممالک کے تھنک ٹینک ادارے اور عیسائی، یہودی اور ہندو مفکرین اپنے ریسرچ اداروں میں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ اچھی طرح واقف ہیں کہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ ذکر ہے کہ مسلمانوں میں دوبارہ خلافت آئے گی اور مسلمانوں کے نئے خلیفہ (امام مہدی) کو پوری دنیا کے اسلامی ممالک کے کن کن علاقوں اور خطوں سے مدد آئیگی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں جن جن خطوں کے متعلق احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر ہے کہ وہاں کی فوجیں آکر امام مہدی کی مدد کریں گی بالخصوص اُن خطوں میں صلیبی ممالک اپنے ڈرون طیارے اور نیٹو کی فوجیں بھیجتے ہیں۔ موجودہ حالات میں صاف نظر آرہا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے بہترین دماغ اُن احادیث کو سامنے رکھ کر اپنی مستقبل کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ڈرون حملوں کے ذریعے یہ اللہ کے آنے والے فیصلے کو بدل دیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوگا کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا اٹل فیصلہ انسانیت کو سُنا دیا ہے:

يُرِيْدُونَ لِيُطْفِؤُا نُورَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ○ (سورة الصف: 8)

''یہ لوگ اپنے مُنہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کا فیصلہ یہ

ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا پھیلا کر رہے گا خواہ کافروں کہ یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔"
اسی آیت کی روشنی میں مولانا ظفر علی خان نے کہا تھا:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

آج کے زمانے کے تناظر میں ہم اِس شعر کو درج ذیل الفاظ میں کہہ سکتے ہیں:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
"ڈرون حملوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا"

اب ہم اُن خطوں کا مختصراً ذکر کرتے ہیں جن کا احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر آیا ہے۔اُن علاقوں میں سے ایک سر زمین خُراسان ہے۔احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سر زمین خُراسان کی فضیلت اوراہمیت کے ضمن میں بیان ہوا ہے:

"مشرق کی جانب سے ایسے لوگ برآمد ہوں گے جو علاقوں کے علاقے فتح کرتے ہوئے "مہدی" کی مدد یعنی اُن کی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے پہنچیں گے۔"
(سنن ابن ماجه، عن عبداللہ بن حارث)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں "خُراسان" کی حدود عراق سے ہندوستان تک اور شمال میں دریائے آمو تک پھیلی ہوئی تھیں (دیکھیے معجم البلدان)۔ خاص کر افغانستان، صوبہ سرحد کے قبائلی علاقے باجوڑ اور مالاکنڈ ڈویژن اور افغانستان سے متصل پاکستان کے علاقے حدیث مبارک میں بیان کی گئی "سرزمینِ خُراسان" میں شامل ہیں۔ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

"خُراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے اور انہیں کوئی طاقت واپس نہیں پھیر سکے گی یہاں تک کہ وہ ایلیاء (یعنی بیت المقدس) میں نصب کر دیئے جائیں۔"

(جامع ترمذی، عن ابوھریرہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی اِس حد تک رہنمائی فرمادی تھی کہ اُنھیں تاکید فرمادی کہ وہ کالے جھنڈے والے خُراسانی لشکر کو دیکھیں جو امام مہدی کی مدد کے لیے جائیگا تو ہر ممکن طریقے سے اُس میں شامل ہونے کی کوشش کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم دیکھو کہ خُراسان سے سیاہ جھنڈے آرہے ہیں تو اُن کی طرف آنا، خواہ تمھیں برف پر سے رینگتے ہوئے آنا پڑے۔''

(مسند احمد، مستدرک الحاکم)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے اِس حدیث میں فرمایا ہے کہ اگر برف پر گھسٹ کر بھی آنا پڑے تو بھی اُس لشکر میں ضرور شامل ہو جانا۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اگر برف پر زیادہ دیر تک چلا جائے تو پاؤں جلنے کا خطرہ (frostbite) ہو جاتا ہے اور برف کا جلا بعض اوقات آگ کے جلے سے بھی زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔ اِس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کو بچانے کے لئے اور حق کا ساتھ دینے کے لئے برف پر بھی چل کر آنا پڑے تو ضرور آنا۔

اب ہمیں یہ بات آسانی کے ساتھ سمجھ آسکتی ہے کہ موجودہ دور میں سب سے زیادہ ڈرون حملے اِسی خطے میں کیوں کیے جارہے ہیں؟ امریکہ کی ایک ریسرچ آرگنائزیشن New America Foundation کے اعداد و شمار کے مطابق 2004ء سے لیکر جنوری 2013ء تک پاکستان اور افغانستان کے سرحدی علاقوں [جن کو حدیث میں خُراسان کا علاقہ کہا گیا ہے] پر اب تک 343 ڈرون حملے کے جاچکے ہیں جن میں کم از کم 2000 اور زیادہ سے زیادہ 3239 مسلمان شہید کیے جاچکے ہیں اور اُن شہید ہونے والوں میں 176 چھوٹے معصوم بچے ہیں جبکہ اکثریت معصوم شہریوں کی ہے۔

The year of the drone: An analysis of U.S. Drone Strikes in Pakistan, 2004 - 2012." New America Foundation.

دلچسپ بات یہ ہے کہ تقریباً یہ تمام ڈرون حملے پاکستانی حکومت کے ساتھ مشترکہ خفیہ سازش کر کے پاکستان کی شمسی ایئر بیس سے کیے جاتے ہیں لیکن ظاہری طور پر پاکستان کی حکومت ہر مرتبہ ڈرون حملے پر رٹا رٹایا احتجاج کر دیتی ہیں اور حملے کے عوض ملنے والے پیسے اپنی جیب میں ڈال لیتی ہے۔

جہاں تک افغانستان پر نیٹو کی دجالی فوجوں کے قبضہ کرنے کا تعلق ہے تو مغربی طاقتیں یہ بات بھول گئی ہیں کہ افغانستان میں داخل ہونے کی بہت سے راستے ہیں لیکن نکلنے کا صرف ایک راستہ ہے (یعنی موت) ۔ امریکہ کے عظیم سماجی مصلح مائیکل مور (Michael Moore) نے براک اوباما کو امریکی صدر بننے کے بعد ایک کھلے خط میں مشورہ دیا تھا:

''میں آپ کو یہ مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلالیں ۔ صدر صاحب! افغانستان ایک ملک نہیں بلکہ بڑی بڑی سلطنتوں کا قبرستان (Graveyard of Empires) ہے۔''

تاریخ اِس بات کی گواہ ہے کہ اپنے وقت کی سُپر پاور برطانیہ نے اِس ملک پر تین مرتبہ حملے کیے لیکن ہر مرتبہ اُسے ناکامی ہوئی اور بالآخر برطانیہ کے ایک فوجی جنرل نے کہا تھا: ''ہم ایسی قوم کو کیسے شکست دے سکتے ہیں جو ہماری بندوقوں کے سوراخوں (barrels of our guns) میں جنت کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔''

اسی طرح احادیث مبارکہ میں یمن کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے کہ وہاں سے فوجیں امام مہدی کی مدد کے لیے آئیں گی ۔ ایک حدیث میں آتا ہے:

يَخْرُجُ مِنْ عَدَنَ أَبْيَنَ اِثْنَاعَشَرَ اَلْفاً يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ هُمْ خَيْرٌ مِنْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ (مسند احمد، طبرانی)

[اِس حدیث کو امام احمد نے مسند احمد میں (333/1) ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب الجرح والتعدیل (242/8) میں اور طبرانی نے معجم الکبیر (47/11) میں روایت کیا ہے۔ امام الھیثمی نے مجمع الزوائد (55/10) میں اس حدیث کی سند کو جَیّد (مضبوط) کہا ہے۔]

''یمن کے شہر عدن (ابیان) سے 12,000 کی فوج اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کے لیے آئے گی۔ وہ لوگ میرے اور اُن کے زمانے کے لوگوں میں سب سے بہترین ہوں گے۔''

ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب رومی جنگ عظیم (ملاحم) میں اہل شام سے جنگ کریں گے تو اللہ تعالیٰ دو لشکروں کے ذریعے اُن یعنی امام مہدی اور اہل شام کے لشکر کی مدد فرمائے گا، ایک مرتبہ ستر (70,000) ہزار سے اور دوسری مرتبہ اسی (80,000) ہزار اہل یمن کے ذریعے، جو اپنی بند تلواریں (یعنی بالکل پیک اور نیا اسلحہ) لٹکائے ہوئے آئیں گے۔ وہ کہتے ہوں گے کہ ہم پکے سچے اللہ کے بندے ہیں۔ ہم اللہ کے دشمنوں سے قتال کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ (اُس جہاد کی برکت سے) اُن لوگوں سے طاعون، ہر قسم کی تکلیف اور تھکاوٹ کو اُٹھالیں گے''۔

(الفتن نعیم بن حماد : ۲ ص: ۴۲۹ و اسناده فیه کلام)

آج خراسان کے علاقے کے بعد سب سے زیادہ ڈرون حملے یمن میں کئے جا رہے ہیں کیونکہ امریکہ، برطانیہ اور باقی نیٹو کی دجالی افواج کو اچھی طرح سے علم ہے کہ یمن سے امام مہدی کے لشکر کو مدد ملے گی اور بالآخر یہ لشکر دجال سے جہاد کرے گا۔ بے شک یمن کی منافق

حکومت، مغرب کے ڈرون حملوں میں پوری طرح تعاون کرتی ہے۔تب ہی تو قرآن نے ہمیں بتا دیا ہے کہ منافقین کا درجہ جہنم میں کافروں سے بھی نیچے ہوگا۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ○ (سورہ النساء:145)

''یقین جانو کہ منافق لوگ جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گےاور تم کسی کو اُن کا مددگار نہ پاؤ گے۔''

یعنی آج یہ منافق حضرات مسلمانوں کے خلاف غیر مسلموں کے مددگار بنے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں لیکن کل جہنم میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

مزید برآں، بہت سی احادیث مبارکہ میں واضح طور پر ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول شام کے شہر دمشق کی مسجد کے منارے پر ہوگا جب کہ مسلمان امام مہدی کی قیادت میں دجالی فوجوں سے لڑنے کی تیاری کر رہے ہوں گے:

''جبکہ وہ (دجال) لوگوں کو گمراہ کرنے کا کام کر رہا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اُس وقت مسیح عیسیٰ ابن مریم کو نازل فرمائے گا، وہ دمشق کے مشرق میں سفید منارے سے زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے نازل ہوں گے۔ انہوں نے ہتھلیاں دو فرشتوں کے پروں پر رکھی ہوں گے، جب سر نیچے کریں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور جب سر اٹھائیں گے تو اُس سے موتیوں کی مانند دانے گریں گے۔''
(صحیح مسلم۔کتاب الفتن)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت کا ایک گروہ حق کی خاطر لڑتا رہے گا اور غالب ہوگا۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔مسلمانوں کا امیر (مہدی) اُن سے کہے گا آیئے

ہمیں نماز پڑھائیے۔ وہ کہیں گے کہ نہیں، امیر تم میں سے ہوگا۔ یہ اعزاز ہے جو اللہ تعالیٰ نے اِس اُمت کو بخشا ہے۔'' (صحیح مسلم۔ مسند احمد)

واقعہ یہ ہے کہ یمن والوں اور شام والوں کے لیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے اِن خطوں کی سر زمین بڑی زرخیز واقع ہوئی ہے۔ (ہم جانتے ہیں کہ شیخ اسامہ بن لادن کا اصل تعلق بھی یمن سے ہی ہے)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام اور یمن والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا فرمائی (یاد رہے کہ حدیث میں جس سرزمینِ شام کا ذکر کیا گیا ہے اُس سے مراد موجودہ دور کا شام اور فلسطین دونوں ہیں)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَافِی شَامِنَا اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِی یَمَنِنَا

(صحیح البخاری ۱۲۸۱، مسند احمد ۵۹۷ عن عبداللہ بن عمرؓ)

''اے اللہ! ہمارے شام میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ! ہمارے یمن میں برکت عطا فرما۔''

آج ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس دعا کے اثرات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہ خطے کس قسم کے بطلِ حریت پیدا کر رہے ہیں جن سے باطل خائف ہے۔ مزید برآں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایمان فتنوں کے وقت میں شام میں ہوگا۔'' (البیہقی) اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: ''جب شام میں فساد ہوتو تمہاری خیر نہیں'' (مسند احمد بن حنبل)۔ مزید برآں، ایک حدیث میں یہاں تک فرمادیا: ''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ اہل عراق کے اچھے لوگ شام کی طرف منتقل نہ ہو جائیں اور اہل شام کے شریر

لوگ عراق کی طرف منتقل نہ ہو جائیں۔'' اور فرمایا: ''تم شام کو لازم پکڑے رہنا۔'' (مسند احمد بن حنبل) یہ وہی شام ہے جو امام مہدی کا ہیڈ کوارٹر ہوگا، یہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ لمحات اب قریب ہیں۔

کفار نے اِنہی احادیث کی روشنی میں کئی سال پہلے اپنی شیطانی پلاننگ کی۔ فلسطین کو برطانیہ نے 1920ء کی دھائی میں یہودیوں کے حوالے کر دیا، اُس وقت سے اب تک اسرائیل کے یہودی، فلسطین کے مسلمانوں پر جو مظالم کر رہے ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بات پر اسرائیلی فائٹر طیاروں کے ذریعے فلسطین کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جاتی ہے۔ اسی طرح فرانسیسیوں نے 1920ء سے ہی شام (Syria) کی علوی اقلیت (نصیریوں) کو سُنی اکثریت کے مقابلے میں اہمیت دینی شروع کی یہاں تک کہ بالآخر 1963ء کی فوجی بغاوت کے بعد وہاں کی بعث پارٹی نے ملک پر کنٹرول سنبھال لیا اور 1970ء میں ایئرفورس کے علوی عقیدہ رکھنے والے جنرل حافظ الاسد نے ملک کا اقتدار سنبھال لیا۔ شیطان کے پیروکار فرانسیسی صلیبی اِس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ ایک دن حضرت عیسیٰؑ کا دمشق شہر میں نزول ہوگا، اِس لیے اُنھوں نے علویوں کو ملک کا اقتدار دینے کے لئے راہ ہموار کی (حالانکہ وہ اقلیت میں تھے) تاکہ ملک کی سنی اکثریت آبادی جب ایک دن حکومت واپس لینے کی کوشش کرے تو پورا ملک شام (سوریا) اِس جدوجہد میں خون میں نہا جائے۔ آج 80 سال کے بعد فرانس کی پلاننگ رنگ لا رہی ہے۔ بشار الاسد کی آرمی اب تک شام کے ہزاروں مسلمان شہریوں کو قتل کر چکی ہے۔ اُس کے فائٹر جہاز پورے پورے قصبوں اور دیہاتوں کو بمباری سے تباہ کر دیتے ہیں۔ نصیری فوجیوں نے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال سے چھوٹے چھوٹے بچوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔ چونکہ بشار الاسد اپنے نظریات کے لحاظ سے علوی ہونے کے ساتھ ساتھ سوشلسٹ بھی ہے اِس لئے اِس وقت اُسے چین اور رُوس اسلحہ بیچ رہے ہیں جبکہ ایران بھی اور لبنان

کی ''حزب الشیطان'' (جس کا لیڈر حسن غدر اللہ ہے) بھی بشار الاسد کی بھرپور مدد کر رہے ہیں۔ دوسری جانب ترکی کے بارڈر سے مجاہدین شام میں داخل ہو کر شام کے سنی عوام کے ساتھ مل کر شام کے طاغوت بشار الاسد سے جہاد کر رہے ہیں لیکن اِس وقت مغربی صلیبی ممالک اور نیٹو کی افواج صرف تماشا دیکھ رہے ہیں کہ دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جونہی شام کا طاغوت بشار الاسد شکست کھائے گا اور مجاہدین کا شام پر قبضہ ہوگا تو فوراً اُن کی حکومت پر ''القاعدہ کی حامی'' ہونے کا الزام لگا کر مغرب کے صلیبی ممالک اپنی فوجوں اور ڈرون طیاروں کے ساتھ شام پر حملہ کر دیں گے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب عالمی جہاد کا مرکز افغانستان سے شام میں منتقل ہو چکا ہے۔ اہل شام کو یوں ہی اہل عزیمت نہیں کہا گیا۔ اُنھوں نے آج کے دور میں اسرائیل کی پشت پناہی میں مصروف چار ممالک کی باقاعدہ افواج (بشار القصاب کی فوج، لبنان کی حزب الشیطان، ایران کی افواج اور عراق کی امریکی کٹھ پتلی نوری مالکی کی فوج کی وحشت و درندگی کے مقابلے میں استقامت دکھائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کے ذریعے ان افواج کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ مزید برآں، روس اور چین کی بشار کے لیے تمام تر حمایت اور اُن کی طرف سے دی جانے والی اسلحے کی وسیع کھیپوں کے مقابلے میں مجاہدین اُسی بے سروسامانی اور عزیمت سے برسرپیکار ہیں جس طرح افغانستان کے مجاہدین 48 صلیبی ممالک کی اتحادی افواج کے مقابل صبر و استقلال کا کوہ گراں بنے کھڑے رہے ہیں۔ بہر حال پوری دنیا میں نورِ توحید کا اتمام ہو کر رہے گا:

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ٥

(سورة الأنفال:30)

''یہ کفار بھی پلان بنا رہے ہیں اور اللہ بھی پلان کر رہا ہے اور اللہ سب سے بہتر پلان بنانے والا ہے۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں وسط ایشیائی ریاستوں کی فضیلت بھی خاص طور پر بیان ہوئی ہے کہ یہ لوگ بھی امام مہدی کی مدد کریں گے۔ایک حدیث میں آتا ہے کہ بلال بن عمرو نے فرمایا، میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک شخص ''ماوراء النہر'' سے چلے گا، اس کو حارث حراث (کسان) کہا جاتا ہوگا۔ اس کے لشکر کے اگلے حصہ (مقدمة الجیش) پر مامور شخص کا نام منصور ہوگا۔ جو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے (خلافت کے مسئلہ میں) راہ ہموار کرے گا یا مضبوط کرے گا جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش نے ٹھکانا دیا تھا۔ سو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس لشکر کی مدد تائید کرے، یا یہ فرمایا کہ (ہر مسلمان پر واجب ہوگا کہ وہ) اس شخص کی اطاعت کرے۔'' (سنن ابی داؤد:3739)

''ماوراء النہر'' دریائے آمو کے اُس پار وسطِ ایشیائی (Central Asia) ریاستوں کے علاقوں کو کہا جاتا ہے جن میں ازبکستان ، تاجکستان ، ترکمانستان، آذربائیجان، قازقستان اور چیچنیا وغیرہ شامل ہیں۔ یا تو یہ لشکر چیچنیا اور اُزبکستان وغیرہ ہی سے حضرت مہدی کی حمایت کے لئے جائے گا یا پھر حارث نامی مجاہد اِس لشکر کے ساتھ ہوں گے جس کا ذکر خراسان والی حدیث میں آیا ہے۔واللہ اعلم

واضح رہے کہ اِس وقت خراسان میں دجالی قوتوں سے برسرِپیکار مجاہدین میں بڑی تعداد اُزبک مجاہدین کی ہی ہے جو انتہائی نڈر اور جنگ کے فن میں ماہر ہوتے ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ دجالی میڈیا پر اُن کو سب سے زیادہ طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔بہر حال اللہ نے اِس قوم کو بہت نوازا ہے۔علامہ ابوالحسن علی ندوی نے اِن کے بارے میں لکھا ہے کہ

سوویت یونین کی ستر (70) سالہ بدترین غلامی کے باوجود اپنا ایمان بچانا اس قوم کا ہی طرہ امتیاز ہے ورنہ کوئی اور قوم ہوتی شاید اِس غلامی میں اپنا ایمان نہ بچا پاتی۔ اسی وجہ سے رُوس اور اُسکی دجالی افواج نے وسطی ایشیا کی ریاستوں یعنی اُزبکستان، تاجکستان، چیچنیا وغیرہ میں بے شمار جنگی آپریشن کیے اور بے شمار مسلمانوں کو شہید کیا۔

عجیب بات ہے کہ مغرب کی صلیبی افواج، اسلام دشمنی میں اِس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ ڈرون طیاروں اور فائٹر جہازوں کے ذریعے خاص طور پر اُن تمام خطوں پر بم اور آگ برسا کر ''ریاستی دہشت گردی'' کا مظاہرہ کر رہے ہیں جن خطوں کی اہمیت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں بیان فرمائی ہے لیکن وہ اِس بات کو بھول رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اِس دین اسلام کو پوری دنیا میں ضرور پھیلانا ہے۔ خود مغرب کے بعض حقیقت پسند مفکر اپنی بے بسی کا اعتراف کرتے ہیں۔ مثلاً امریکہ کی نیشنل سیکورٹی آرکائیو کی خاتون ڈائریکٹر باربرا سینورن (Barbara Sanborn) اپنے ایک تحقیقاتی آرٹیکل میں امریکہ کو اِن الفاظ میں متنبہ کرتی ہے:

"As much of the literature on drones suggests, such killings usually harden militants' determination to fight, stalling any potiential negotiations and settlement."

Elias-Sanborn, Barbara (2 Feb, 2012) "The Pakistani Taliban's Coming Diveid." *Foreign Affairs* Published by the Council of Foreign Relations.

''ڈرون حملوں پر موجود تحقیقاتی لٹریچر سے پتہ چلتا ہے کہ ڈرون حملوں کے ذریعے کئے گئے قتلوں سے عام طور پر مجاہدین کے لڑنے کے عزائم مزید مضبوط ہوتے ہیں جس کی وجہ سے کسی قسم کے مستقبل کے مذاکرات اور تصفیے کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔''

یہ اس لیے بھی ہے کہ ایک سچا مومن دنیا سے زیادہ آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ اُسے پتہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے:

''دجال کے ساتھ پانی اور آگ ہوں گے مگر جو لوگوں کو پانی نظر آئے گا دراصل وہ آگ ہوگی اور وہ جسے لوگ آگ سمجھیں گے وہ ٹھنڈا پانی ہوگا۔''
(صحیح مسلم عن حذیفہؓ)

اس حدیث پر ایمان رکھنے والا ہر سچا مومن ڈرون حملوں سے برسنے والے میزائلوں کی آگ سے نہیں ڈرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ دراصل جنت کا ٹھنڈا پانی ہے۔(یعنی ''ایک آنکھ والے کیمرے'' کو استعمال کرنے والے ڈرون طیاروں کے ذریعے مسلمانوں پر جو آگ کی بمباری کی جاتی ہے)۔

اسلام آج بھی دنیا کی توجہ کا مرکز ہے

اگر مسلمان دینِ اسلام پر صحیح طور پر عمل کریں اور متحد ہو جائیں تو انھیں اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آج بھی اسلامی دنیا کو پوری دنیا کی توجہ کا مرکز بنایا ہوا ہے۔ دنیا کے سب سے قیمتی ذخائر مسلمانوں کے قدموں تلے ہیں لیکن مسلمانوں کے دلوں کو ''وہن'' کی بیماری لگ گئی ہے۔ ابوداؤد اور مسند احمد کی ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ ''وہن'' کیا کمزوری ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حُبُّكُمُ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَّتُكُمُ الْقِتَالَ (ابوداؤد، مسند احمد)

(تمہارا دنیا سے محبت اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کو ناپسند کرنا)

[ابوداؤد اور مسند احمد کی اس حدیث کی سند صحیح ہے۔]

آگے جا کر اسی حدیث میں مزید بیان ہوا ہے کہ ''کفار اقوام تمہارے خلاف جنگ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دے کر بلائیں گے جس طرح بھوکے ایک

دوسرے کو دسترخوان پر دعوت دے کر بلاتے ہیں۔'' یہی نہیں بلکہ وہ کفر کی طاقتیں برملا اِس بات کا اعتراف کریں گی کہ اُن کے اپنوں کے لئے معیار اور ہیں، غیروں کے لئے اور۔ امریکہ کے ایک نہایت مقتدر مفکر سیموئیل ھنٹنگٹن (Samuel Huntington) نے اپنی شہرہ آفاق کتاب The Clash of Civilizations (تہذیبوں کا تصادم) (مطبوعہ نیو یارک 1977ء) میں اِس بات کا برملا اِعتراف کیا تھا کہ مغربی تہذیب نے دنیا کے لئے دو مختلف معیار رکھے ہوئے ہیں:

"A world of clashing civilizations, however, is inevitably a world of double standards: people apply one standard to their kin-country and a different standard to others."

["Huntington, Samuel P. (1997) The Clash of Civiliations and the Remarking of World Order. New York, Touchstone Books]

''ایسی دنیا جہاں تہذیبوں کا ٹکراؤ ہورہا ہو وہاں لازمی طور پر دوہرے معیار رکھنے پڑتے ہیں: لوگ اپنے دوست ملک کے لیے ایک پیمانہ رکھتے ہیں جبکہ دشمن ملک کے لیے بالکل مختلف پیمانہ۔''

مشرقِ وسطیٰ میں عراق ایک ایسا ملک ہے جہاں سعودی عرب کے بعد سب سے زیادہ تیل کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی اور یورپ نے عراق پر عوامی تباہی کے ہتھیار (Weapons of Mass Destruction) کی ملکیت ہونے کا الزام لگا کر حملہ کر دیا جبکہ وہاں ایسے کوئی ہتھیار نہیں ملے۔ ویسے بھی دنیا کو تباہ کرنے والے ہتھیاروں کا جتنا بڑا ذخیرہ صلیبی ممالک کے پاس ہے، اسلامی ملکوں کے پاس مجموعی طور پر اُس کا ہزارواں حصہ بھی نہیں۔ اصل میں یہ تیل حاصل کرنے کی جنگ تھی۔ کتب احادیث میں بہت سی احادیث، عراق کے متعلق اِسی لالچ اور جنگ کے ضمن میں موجود ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں دریائے فرات (Euphrates) پر خونریز جنگ کا ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عنقریب دریائے فرات سے سونے کا خزانہ نکلے گا۔ لہٰذا جو بھی اُس وقت موجود ہو، اُس میں سے کچھ نہ لے۔''

(صحیح بخاری ، سنن ترمذی ، عن ابی ھریرۃؓ)

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

''قیامت اُس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ فرات سے سونے کا پہاڑ نہ نکلے۔ لوگ اُس پر جنگ کریں گے اور ہر سو میں سے ننانوے مارے جائیں گے۔ ہر ایک بچنے والا یہی سمجھے گا کہ شاید میں ہی اکیلا بچا ہوں۔'' **(صحیح مسلم، عن ابی ھریرۃؓ)**

موجودہ دور میں ہم جانتے ہیں کہ تیل کو ''کالا سونا'' (Black Gold) بھی کہا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اِن احادیث میں ''سونے کے پہاڑ کے لئے جنگ'' سے مراد ''تیل کے لیے جنگ'' ہو۔ عراق پر مغربی ممالک کے حملے اور خلیج جنگ کے نتیجے میں 10 لاکھ عراقی شہید ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ اشارہ ابھی مستقبل کے متعلق ہو لیکن دس (10) لاکھ کی تعداد کچھ کم نہیں ہے۔ صرف عراقی شہر فلوجہ پر امریکی طیاروں نے اتنے بم برسائے جن کی مقدار جاپانی شہر ہیروشیما (Hiroshima) پر گرائے جانے والے ایٹم بم سے گیارہ گنا (11 times) زیادہ تھی۔ بہر حال ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عراق پر قابض اہل مغرب سے جنگ کرنے والوں کے اعلیٰ مقام کے متعلق ہمیں بتایا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت میں کچھ لوگ ایک ایسے علاقے میں اتریں گے جسے ''بصرہ'' کہا جائے گا اور یہ علاقہ ایک دریا کے قریب ہوگا جسے ''دجلہ'' کہا جائے گا اور اِس دریا پر ایک ''پل'' ہوگا جس کے ساتھ مسلمان شہروں کے بہت سے لوگ ہوں گے۔ پھر جب آخری زمانہ آئے گا تو رومی (**بنو قنطورا**) پھیلے ہوئے چہروں اور چھوٹی آنکھوں والے آئیں گے تو وہ دریا کے کنارے اتریں گے تو اِس علاقے کے لوگ تین (3)

گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے:

(1) ایک گروہ بیلوں کی دُم پکڑے زمین سے چمٹ جائے گا (یعنی دنیا ہی کمانے میں لگے رہیں گے) تو یہ لوگ ہلاکت میں پڑ جائیں گے۔

(2) ایک گروہ اپنے مفادات کے چکر میں پڑ جائے گا (یعنی اُن کفار سے دوستی اختیار کرلے گا تو) یہ لوگ کفر کے مرتکب ہوں گے۔

(3) ایک گروہ اپنی اولاد کو پیچھے چھوڑ جائے گا اور اُن دشمنوں سے قتال کرے گا۔ یہی لوگ شہداء ہوں گے (یعنی صرف یہی لوگ اللہ کی نظر میں کامیاب ٹھہریں گے)''

(سنن ابی داؤد)

تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ جب کبھی بھی مسلمانوں پر کفار اور صلیبی لوگ حملہ آور ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں کی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے اُن کے علاقوں پر قبضہ کرلیا تو اُس مسلم معاشرے میں عموماً تین گروہ وجود میں آگئے: ایک گروہ حملہ آور غیر مسلموں کے ساتھ شامل ہوکر مسلمانوں کی مخبریاں کرتا ہے اور غیر مسلموں سے تنخواہیں اور نوٹوں کی تھدیاں وصول کرتا ہے۔ دوسرا گروہ غیر جانبدار (neutral) رہنے کی کوشش کرتا ہے یعنی یہ گروہ نہ تو غیر مسلموں کی حمایت کرتا ہے اور نہ ہی مسلم مجاہدین کی مدد۔ یہ گروہ دراصل بیلوں کی دم پکڑے زمین سے چمٹا رہتا ہے یعنی اپنے بزنس میں اور پیسہ کمانے میں مصروف رہتا ہے۔ صرف تیسرا گروہ ایسا ہے جو مسلمان اُمت کی آزادی اور اللہ کے ذکر کو بلند کرنے کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیتا ہے، چاہے میڈیا پر اُسے کتنا ہی بدنام کیوں نہ کیا جائے۔ تیسرے گروہ کے مؤمنین کے ایمان اِس درجے کے ہوتے ہیں کہ طاغوتی فوجیں بھی دیکھ لیتی ہیں کہ وہ اپنی بمباری سے سیمنٹ اور پتھر کے بنکروں میں تو سوراخ کرسکتے ہیں لیکن اُن چٹان صفتوں کے ایمان میں نہیں۔

اب ہم ایک اور زرخیز مسلم خطے کی طرف آتے ہیں یعنی افغانستان کا خطہ۔ افغانستان کی سرزمین میں ہیروں (diamonds) اور دیگر قیمتی پتھروں کے بے پناہ ذخائر موجود ہیں۔ بعض ماہرین علم الارض (geologists) کے مطابق اِن ذخائر کی کل قیمت کئی بلین ڈالروں میں پہنچتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ افغانستان میں تیل اور گیس کے بڑے ذخائر بھی موجود ہیں۔ دنیا میں تانبے (copper) کے سب سے زیادہ معدنی ذخائر افغانستان کے صوبے لوگر میں پائے جاتے ہیں۔ انہی قیمتی ذخائر کی لالچ میں پہلے روس نے اور پھر نیٹو کی دجالی افواج نے افغانستان پر حملہ کیا۔

ایک اور اسلامی ملک صومالیہ ہے جس میں بعض اندازوں کے مطابق سعودی عرب کے برابر تیل کے ذخائر موجود ہیں۔ ورلڈ بینک کی 1991ء کی ایک تحقیق اور ٹیکساس کی ہنٹ آئل کارپوریشن (Hunt Oil Corportion, Texas) کے مطابق صومالیہ میں تیل کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کے بعد اب برطانیہ بھی صومالیہ میں امدادی سرگرمیوں (aid-work) کے بہانے داخل ہو چکا ہے۔ اسکے علاوہ چین، کینیڈا اور آسٹریلیا بھی صومالیہ میں تیل کی لالچ میں دخیل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں حتیٰ کہ بُت پرست بھارت نے بھی پیچھے رہنا گوارا نہیں کیا۔ چنانچہ صومالیہ کے تیل میں سے کچھ حصہ لینے کے بہانے انڈیا کی حکومت نے صومالیہ کو یہ تجویز پیش کی ہے کہ وہ صومالیہ کی فوج کو ٹریننگ دیں گے، صومالیہ سے تجارت بڑھائیں گے اور انفارمیشن ٹیکنالوجی (I.T.) میں اُن کی مدد کریں گے۔ یہ درست ہے کہ اِس وقت صومالیہ ملکی انتشار کا شکار ہے لیکن صومالیہ میں تیل کی موجودگی اور مغربی ممالک کا اُس تیل کی دولت کو حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کو دیکھ کر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہاں پر اسلامی شریعت کے نفاذ کی کوشش کرنے والوں کو "بحری قزاق" (Somalian pirartes) قرار دے کر پوری دنیا میں اُن کو بدنام کیوں کیا جا رہا ہے اور مغربی ممالک نے ایتھوپیا، کینیا اور یوگینڈا کی حکومتوں کو

پیسہ دیکر سومالیہ پر حملہ کروا دیا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ برطانیہ کی حکومت کی بنیاد ہی ''بحری قزاقوں'' (pirates) کے کارناموں پر ہے۔ملکہ الزبتھ اوّل کے بحری قزاقوں سے کون نہیں واقف ہے۔ اُنھیں ملکہ الزبتھ اول اُن کے ''بحری کارناموں'' (یعنی مسلمانوں کے بحری قافلوں پر ڈاکے ڈالنے) کے عوض میں ''سر'' (Sir) کے خوبصورت اعزاز سے نوازتی تھی جن میں ''سر'' فرانس ڈریک (Sir Frances Drake)، ''سر'' والٹر ریلے (Sir Walter Raleigh)، ''سر'' جان ہاکنز (Sir John Hawkins) اور ''سر'' ہمفری گلبرٹ (Sir Humphry Gilbert) شامل ہیں۔اِن ''معزز'' برطانوی شخصیات کا کام یہ تھا کہ یہ لوگ سمندر میں جا کر لوٹ مار کر کے اُس کا بڑا حصہ ملکہ الزبتھ کو لا کر دربار میں پیش کرتے تھے۔پھر اُن ہی برطانوی قزاقوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کر کے بالآخر برصغیر پر فوجی قبضہ کرلیا۔انھی برطانوی قزاقوں نے دیگر اسلامی ممالک پر بھی قبضے کیے۔ رہی سہی کسر ولندیزی قزاقوں (Dutch Pirates) اور پرتگیزی قزاقوں نے نکال دی۔لیکن چونکہ وہ سب عیسائی تھے اور آج میڈیا عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ میں ہے، اِس لیے وہ سب ''معصوم'' اور ''مہذب'' تھے لیکن صومالیہ کے عوام کو پوری دنیا کا میڈیا خطرناک بحری قزاقوں (Somalian Pirates) کے طور پر پیش کرتا ہے۔

حال ہی میں صلیبی فرانسیسی افواج نے شمالی مالی کی اسلامی حکومت پر حملہ کر دیا ہے کیونکہ وہاں پر مسلمانوں نے اسلامی شریعت نافذ کر دی ہے۔فرانس کی دجالی اور فحش حکومت نے باقی مغربی ممالک کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے مالی کی اسلامی مملکت میں القاعدہ کی موجودگی کا بہانہ بنا کر وہاں پر حملہ کر دیا اور ٹمبکٹو اور دیگر علاقوں پر اپنے فرانسیسی فائٹر جیٹ طیاروں سے اندھا دھند بم برسانے شروع کر دیئے اور ساتھ ہی اپنی زمینی دجالی افواج کو الجزائر اور سینیگال کے مسلم منافق فوجیوں کے ساتھ میدان میں اُتار دیا۔باقی صلیبی ممالک نے بھی فرانس کو مالی کے مجاہدین کے خلاف اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔دراصل پورے افریقہ میں سونے (gold) کے تیسرے

نمبر پر سب سے زیادہ مقدار میں ذخائر مالی میں پائے جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ مالی میں یورینیم کے ذخائر بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ دجالی صلیبی افواج جوں ہی کسی اسلامی ملک میں تیل یا سونے کی بُو سونگھتے ہیں تو وہ فوراً اُس اسلامی ملک میں ''القاعدہ کے دہشت گردوں'' کی موجودگی یا اُن کی حمایت کرنے کا الزام لگا کر متحد ہو کر اُس اسلامی ملک پر حملہ کر دیتے ہیں اور پھر مل کر اُس ملک کے ذخائر کو لُوٹتے ہیں۔

چیچنیا میں بھی تیل کے بے شمار ذخائر موجود ہیں۔اِس وجہ ہے کہ روس اُسے چھوڑنے کو تیار نہیں اور ایک طویل عرصہ سے نہ صرف چیچنیا کو اپنی ریاست بنا کر رکھا ہوا ہے بلکہ جب 1991ء میں چیچنیا نے سوویت یونین سے آزادی حاصل کی بھی تو چند ہی سالوں کے بعد 1999ء میں دوسری چیچنیا روس جنگ میں چیچنیا پر پھر قبضہ کرلیا کیونکہ روس کا صدر پیوٹن (Putin) وہاں کے تیل کے ذخائر کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ چیچنیا پر 1999ء میں حملہ کرنے کا بہانہ تراشنے کے لئے روس نے ستمبر 1999ء میں روس کے تین بڑے شہروں (یعنی Moscow, Buynaksh and Volgodonsk) کی شہری آبادی کی رہائشی عمارتوں (Apartment Buildings) میں دھماکے کروائے جن میں 293 افراد ہلاک اور 651 زخمی ہوئے۔ روسی حکومت نے چیچنیا کے مجاہدین بالخصوص کمانڈر ابن خطاب کو اِن دھماکوں کا ماسٹر مائنڈ قرار دیا۔ تاہم 19 ستمبر 1999ء کو روس کی گروزنی میں واقع خبر رساں ایجنسی انٹرفیکس (Interfax) کو انٹرویو دیتے ہوئے کمانڈر ابن خطاب نے واضح طور پر بتایا کہ مجاہدین کا اُن دھماکوں سے کوئی تعلق نہیں۔ کمانڈر ابن خطاب نے اپنے بیان میں کہا:

"We would not like to be akin to those who kill sleeping civilians with bombs and shells."

ہم اُن لوگوں (دہشت گردوں) کی طرح نہیں ہیں جو سوئے ہوئے شہریوں کو بموں اور شیلوں سے قتل کر دیتے ہیں۔''

لیکن افسوس کہ اِس زمانے میں سچ بولنے والے مجاہدین کی کون سنتا ہے۔ لوگ تو فاسق میڈیا کے الزامات پر زیادہ یقین کرتے ہیں کیونکہ یہ فاسق میڈیا ''ایک آنکھ'' رکھتا ہے اور اِس فاسق میڈیا کو کافر یا منافق حکومتوں کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے۔ تاہم روس کی خفیہ حکومتی سروس (F S B) کے چیچنیا پر اُن دھماکوں کے الزامات کے باوجود روس اور امریکہ کے چند غیر جانبدار محققین کی تحقیقات سے یہ بات کھلی کہ رُوس میں 1999ء میں یہ دھماکے روس کی خفیہ سروس (FSB) نے خود کروائے تھے تا کہ چیچنیا کے مجاہدین پر اِس کا الزام لگا کر چیچنیا پر رُوس دوبارہ سے حملہ آور ہو سکے اور یقیناً رُوس نے اِسی جھوٹ کو بنیاد بنا کر چیچنیا پر 1999ء میں حملہ کردیا اور اِس ملک پر اور اِس کے تیل پر قابض ہو گیا۔ جن غیر جانبدار محققین نے FSB کے خود اپنے عوام کو دھماکے کروا کر قتل کرنے کی سازش کا انکشاف کیا اُن میں رُوس کا سابق F S B کا آفیسر الیگزینڈر لٹوینینکو (Alexandar Litvinenko)، امریکہ کی یونیورسٹی آف جان ہاپکنز (John Hopkins Univeristy / Hoover Institute) کا محقق سکالر ڈیوڈ سیٹر (David Satter) اور رُوس کا ماہر قانون سرجی یوشینکو (Sergei Yushenkov) شامل تھے۔

Satter, David (2003) Darkness at Dawn: The Rise of the Russian Criminal State. Yale Univeristy Press, New Haven.

اُمت مسلمہ کا احیاء اب بہت قریب ہے

احادیثِ نبویؐ میں بیان کی گئی پیشین گوئیوں کی روشنی میں اور آج کی عالمی صورتحال کو دیکھتے ہوئے کچھ ایسے آثار نظر آرہے ہیں کہ امتِ مسلمہ کا احیاء (Islamic Revival) اب بہت قریب ہے۔ مسلمانوں نے بہت عرصہ سو کر گزار لیا۔ اب مسلمانانِ عالم خوابِ غفلت سے بیدار ہو رہے ہیں اور اب یہ اپنی پرانی کسریں نکالیں گے:

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے، وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا
(اقبال)

ایک نہایت ہی اہم حدیثِ نبویؐ سے اِس بات کی تائید ہوتی ہے۔رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحیح حدیث میں فرمایا تھا:

اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا. (سنن ابی داؤد)

[رواہ ابو داؤد (حدیث نمبر 4291) امام السخاوی نے "المقاصد الحسنۃ" (حدیث نمبر 149) میں اِس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے اور شیخ الالبانی نے "السلسلۃ الصحیحۃ" (حدیث نمبر 599) میں اِس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔]

''اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اِس امت کے لئے ایسے لوگ اُٹھاتا رہے گا جو اِس کے لیے اس کے دین کو تازہ کریں گے۔''

اِس حدیث میں "مَنْ یُجَدِّدُلَھَا'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ''مَنْ'' کا لفظ عربی زبان میں واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اِس لیے اِس حدیث میں "مَنْ" سے مراد بہت سے اشخاص بھی ہو سکتے ہیں اور پورے پورے ادارے اور گروہ (مثلاً طائفۃ منصورۃ) بھی ہو سکتے ہیں۔ حافظ الذھبی اِس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اِس حدیث میں لفظ ''مَنْ یُجَدِّدُ'' سے مراد ایک شخص نہیں بلکہ یہ لفظ ''جمع'' (یعنی گروہ) کے لئے استعمال ہوا ہے۔'' (تاریخ الاسلام للذھبی: 23/180)

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ اِس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''یہ ضروری نہیں کہ ہر صدی کے سرے پر کوئی ایک ہی شخص آئے بلکہ اِس حدیث

میں اِس سے مراد ایک طائفة (گروہ یا جماعت) ہے جو اِس دینِ اسلام کی تجدید کریگا۔‘‘ (فتح الباری۔۱۳/۲۹۵)

اب ہم اگر قریب کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی خلافت کا خاتمہ 1924ء عیسوی میں ترکی کے مصطفیٰ کمال پاشا کے ہاتھوں ہوا۔ اُس وقت خلافتِ عثمانیہ کو یہودیوں کے ایجنٹ مصطفیٰ کمال پاشا اور عیسائیوں کی سازش سے ختم کیا گیا تھا۔ اُس وقت سے لیکر آج تک مسلمان ممالک خلافت کے بغیر ہیں اور مغرب کے تصورِ قومیت کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔ اسی کے متعلق اقبال نے کہا تھا:

ے اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
پیرہن جو اِس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اِس بت کو ملا دے

چنانچہ 1924ء سے لیکر آج تک مسلمان اس سیاسی زوال کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ غیر مسلم جب بھی کسی مسلم ملک پر حملہ آور ہوتے ہیں تو اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ (تمام کفار ایک ہی قوم ہیں) کے مصداق تمام غیر مسلم ممالک متحد ہو کر حملہ کرتے ہیں، کبھی NATO کے روپ میں، کبھی اتحادیوں کے روپ میں اور کبھی UNO کی امن قائم کرنے والی افواج (UN-Peace-keeping forces) کے روپ میں۔ اِس کے برعکس آج کوئی دو مسلمان ممالک بھی اتنی جرأت نہیں رکھتے کہ وہ باہم اتحاد کر کے غیر مسلموں سے مقابلہ کریں۔ یہ مسلمانوں کے سیاسی تنزل کی انتہاء ہے۔

پس اگر اوپر بیان کی گئی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کے ہر اُس شعبے

کی تجدید کرتا رہے گا جس کو تجدید کی ضرورت ہے تو پھر سب سے اہم گوشہ مسلمانوں کا سیاسی نظام یا حکومت ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے درمیان صحیح اسلامی حکومت یعنی خلافتِ اسلامی 1924ء سے غائب ہے اور 1924ء سے دنیا کا سیاسی اقتدار جاہلیت کے ہاتھ میں ہے جبکہ امتِ مسلمہ چھوٹے چھوٹے ملکوں کی حیثیت سے دنیا میں ایک ثانوی حیثیت اختیار کیے ہوئے ہے تو ہم اِس حدیث کی روشنی میں یہ امید کرتے ہیں کہ پورے 100 سال نہیں گزرنے پائیں گے کہ اللہ تعالٰی مسلمانوں کے نظامِ حکومت کو خلافت علیٰ منھاج النبوۃ کی صورت میں اپنے حکم اور فضل سے بحال کر دیگا، ان شاء اللہ۔

بے شک غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں لیکن اوپر بیان کی گئی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں یہ اشارہ ملتا ہے کہ 2024ء سے پہلے پہلے مسلمان اُمت کے اِس شعبے میں لازمی تجدید ہو گی اور مسلمان اُمت دوبارہ سے ایک خلیفہ کے جھنڈے تلے ضرور متحد ہو جائیگی، ان شاءاللہ۔ اِس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ اللہ تعالٰی سو سال سے زیادہ مسلمان اُمت کو ''اسلامی خلافت'' کے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ ان شاءاللہ۔ اِس کا مطلب ہے کہ ہم اِس وقت امتِ مسلمہ کے احیاء(Revival of Muslim Ummah) کے بالکل کنارے پر کھڑے ہیں کیونکہ 2024ء ہونے میں کچھ ہی عرصہ رہ گیا ہے اور یہ احیاء صرف علمی میدان میں ہی نہیں ہو گا بلکہ مسلمانوں کے حکومتی نظام میں ہو گا اور مسلمانوں میں جہاد فی سبیل اللہ کے متعلق بیداری کی لہر کی صورت میں ہو گا۔ یہ احیاء نہ صرف خارجی دشمنوں کے خلاف ہو گا بلکہ اندر کے منافقوں کے خلاف بھی ہو گا۔

اسلامی تاریخ کی مثالوں میں سو سال سے پہلے پہلے امتِ مسلمہ کے ہر شعبے میں تجدید کی سب سے بڑی مثال فلسطین اور بیت المقدس کی 88 سال تک عیسائیوں کی قید میں رہنے کے بعد صلاح

الدین ایوبی ؒ کے ہاتھوں آزادی ہے۔یعنی جنگِ حطین میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی اور بیت المقدس کا مسلمانوں کے ہاتھوں آزاد کروانا ہے۔ 4 جولائی 1187ءعیسوی کو 27ویں رمضان کی رات (لیلۃ القدر) عبادت میں گزار کر سلطان صلاح الدین ایوبی ؒ کی قیادت میں اُس کے فوجیوں اور عام مسلمانوں نے اگلی صبح کو حطین کے مقام پر صلیبیوں (crusaders) کو جنگِ حطین میں بُری طرح شکست دی اور مسلمانوں کے قبلہ اول یعنی بیت المقدس کو عیسائیوں سے آزاد کروایا۔ بیت المقدس پر 88 سال تک عیسائیوں کا قبضہ رہا تھا جس کے دوران اُنھوں نے بے شمار مسلمانوں کا بڑی بے دردی کے ساتھ خون بہایا تھا۔ بالآخر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "ہر صدی کے سرے پر دین اسلام کی تجدید" میں بیان کی گئی پیشین گوئی کے تناظر میں 100 سال پورے ہونے سے پہلے پہلے یعنی 88 سال کے بعد 1187 عیسوی میں مسلمانوں نے عیسائی صلیبیوں سے قبلہ اول یعنی بیت المقدس کو واپس لے لیا۔ صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ الکریم۔

آخری بات

موجودہ زمانے کے مسلمان اگر جہاد سے بھاگیں بھی تو جہاد خود چل کر اُن کے دروازے پر پہنچ جائے گا۔آج کے سھل پسند مسلمان اُس سے بچ نہیں سکتے۔وہ اُس سے بھگ کر آخر کہاں جائیں گے؟ اِس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی ممالک کو اپنے مُلکوں کا نظام، گاڑیاں اور مشینیں چلانے کے لئے تیل کی ضرورت ہے اور تیل کے تقریباً تمام قدرتی ذخائر مسلمان ممالک میں پائے جاتے ہیں۔تیل برآمد کرنے والے ممالک کی آرگنائزیشن "اوپیک"(OPEC) کے بانی ممالک (founding countries) میں وینی زوئیلا (Venezuala) کو چھوڑ کر باقی تمام ممالک مسلمان ہیں (سعودی عرب، کویت، عراق، ایران)۔ اسی طرح، اوپیک (OPEC) کے 12 مکمل ممبران ممالک میں بھی اکثریت مسلمان

ممالک کی ہے جن میں سعودی عرب، کویت، عراق، اور ایران کے علاوہ الجزائر، لیبیا، نائیجیریا، قطر اور متحدہ عرب امارات شامل ہیں۔

چنانچہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ صلیبی ممالک اور اُن کے استعماری حملوں نے مسلم ممالک کی اکثریت کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، فلسطین میں تباہی و بربادی پھیلائی جارہی ہے اور عصمتوں کو پامال کیا جارہا ہے، افغانستان کو بار بار ایسا زخمی کیا گیا ہے کہ اب تک اُس کا خون بہہ رہا ہے، صلیبی اتحادی افواج نے عراق میں ایسے درد اور آنسو پیچھے چھوڑے ہیں کہ جو ابھی تک خشک نہیں ہوئے، مغربی ممالک نے سوڈان اور صومالیہ میں ایسی جنگ بھڑکائی ہے کہ جس کے شعلے ابھی تک بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ صلیبی ممالک کے حکمران اور اُن کی دجالی افواج ہر مسلمان ملک پر حملہ کرنے سے پہلے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہماری یہ جنگ دراصل دہشت گردی کے خلاف جنگ (War on Terror) ہے لیکن ہر وہ مسلمان جس کے سر میں مٹر کے دانے کے برابر بھی دماغ ہے اور جس کی میڈیا نیوز کے سامنے بیٹھ کر برین واشنگ نہیں ہوئی ہے وہ یہ جانتا ہے کہ جب کبھی بھی مغربی صلیبی ممالک (War on Terror) کا لفظ بولتے ہیں تو اُس کا اصل مطلب ''اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ'' (War on Islam and Muslims) ہوتا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج دشمنانِ دین ایک ایک کرکے پوری مسلم دنیا پر حملہ آور ہو رہے ہیں تاکہ یہاں نیا عالمی نظام (New World Order) نافذ کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سچ فرمایا دیا ہے کہ:

﴿ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ﴾ (سورة البقره :217)

''اور (یہ کافر) تم سے ہمیشہ جنگ جاری رکھیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر اُن کا بس چلے''۔

دوسری طرف ''ایک آنکھ والے'' میڈیا کے پروپیگنڈے، اُس کے سامنے ہر وقت بیٹھے رہنے کی وجہ سے اور زیادہ سے زیادہ پیسہ کمانے کی دُھن کی وجہ سے آج کے اکثر مسلمانوں کا حال یہ ہو چکا ہے کہ وہ اسلام کا کلمہ بلند کرنے والے مؤمنین کو چھوڑ کر دشمنانِ دین کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ یہ اِس بات کی علامت ہے کہ اُمت کا ایمان انتہائی کمزور ہے جس کی وجہ سے نوبت یہاں تک آپہنچی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿ **لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ فِي شَيْءٍ** ﴾ (سورۃ آلِ عمران:28)

''مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا تو اُس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔''

اِس سلسلے میں علامہ ابن مفلحؒ نے شیخ ابوالوفاء ابن عقیلؒ کا بہت ہی خوبصورت قول روایت کیا ہے جو کہ درج ذیل ہے:

''إذا أردت أن تعلم محل الاسلام من أهل الزمان فلا تنظر إلى زحامهم في أبواب الجوامع، ولا ضجيجهم في الموقف بِالَبَّيْک، وإنَّما انظر إلى مواطأتهم أعداء الشريعة''

''اگر تم اپنے زمانے کے لوگوں میں اسلام کا مقام دیکھنا چاہتے ہو تو مساجد کے دروازوں پر مسلمانوں کی رَش کو مت دیکھو اور نہ ہی کسی معاملے میں لبیک (ہاں! ہم حاضر ہیں) کہتے ہوئے اُن کے شور مچانے کو دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ شریعت کے دشمنوں سے کن کن معاملات میں وہ موافقت اور سمجھوتہ کرتے ہیں۔''

(آداب شرعیہ، علامہ ابن مفلح، جلد:1، صفحہ:211)

آج یہ فیصلہ ہر مسلمان نے خود کرنا ہے کہ وہ اللہ کے گروہ کا ساتھ دینا چاہتے ہیں یا طاغوت کے گروہ کا؟ گاڑی صرف دو ہی صورتوں میں حرکت کرتی ہے؟ جب اُس کو ''فرنٹ گیئر''(Front Gear) میں ڈال دیں یعنی پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا گیئر یا پھر اُسے ''ریورس گیئر''(Reverse Gear) میں ڈال دیں۔ اگر ہم گاڑی کو ''نیوٹرل گیئر''(Neutral Gear) میں رکھیں تو لاکھ کوشش کے باوجود گاڑی اپنی جگہ کھڑی رہتی ہے۔ آج کے مسلمان یہ نہیں کر سکتے کہ ہم ''معتدل مسلمان'' ہیں یا ہم ''نیوٹرل مسلمان'' ہیں، ہم ''کمزور لوگ'' ہیں، چلو دیکھتے ہیں کہ اُونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے؟ اگر اِس حق و باطل کے معرکے میں مسلمان جیت گئے تو ہم مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔''

آج مسلمان ماؤں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے بیٹیوں کو جفاکش زندگی کا عادی بنائیں، اُنھیں اسلام کا شیر بنائیں، مرغیاں نہ بنائیں کیونکہ مرغیاں دانہ کھا کھا کر چاہے کتنی ہی موٹی ہو جائیں لیکن بالآخر اُنھیں ذبح کر دیا جاتا ہے۔ یہی مقدر بھیڑوں بکریوں کا ہوتا ہے۔ اِس کے برعکس شیر کے متعلق یہ بات کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آ سکتی کہ اُسے ذبح کیا جائے۔ پوری دنیا کے انسان اور جانور سب ہی شیر کی بہادری، جفاکش زندگی، طاقت اور بلند ہمتی کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ مسلمان ماؤں کو چاہیے کہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو شکست خوردہ ذہنیت والا نہیں بلکہ بلند حوصلہ اور حرارتِ ایمانی والا بنائیں۔ انھیں عقیدہ الولاء والبراء کی تعلیم دیں۔

اب مسلمانوں نے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کیا وہ اسلام کے غداروں کا ساتھ دیں گے یا اسلام کے وفاداروں کا، کیا وہ کفری نظام کے رکھوالوں کا ساتھ دیں گے یا شریعت کے متوالوں کا؟ کیا وہ لشکرِ دجال کا ساتھ دیں گے یا امام مہدی کے انصار کا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخوں کا ساتھ دیں گے یا ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں کا؟ مسلمان بہو بیٹیوں کے سوداگروں کا ساتھ دیں گے یا چادر کے رکھوالوں کا؟ اب مسلمانوں

کے لئے نہ تو منافق (munafiq.com) بننے سے کام چل سکتا ہے اور نہ ہی شتر مرغ کی طرح ریت میں اپنا سر دینے سے اُن کی جان بچ سکتی ہے۔اب مسلمانوں کے لیے وقت آ گیا ہے کہ یا تو وہ اپنی گاڑی کو(Front Gear) ''فرنٹ گیئر'' میں ڈال کر جنت کی طرف بڑھیں اور یا اپنی گاڑی کو(Reverse Gear) ''ریورس گیئر'' میں ڈال کر جہنم کی طرف نکل جائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا آپ معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں؟

اصلاحِ معاشرہ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں تک حق بات پہنچائی جائے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ (صحیح مسلم)

"جو شخص، کسی نیک کام کی طرف، کسی دوسرے شخص کی راہنمائی کرے گا، اُسے نیک کام کرنے والے کے برابر اجر اور ثواب دیا جائے گا"

آیئے اصلاحِ معاشرہ کے کام میں دینِ اسلام کی مدد کریں۔ آپ کی دی ہوئی کتابوں کی وجہ سے جس گھر میں جو اچھے اثرات ہوں گے، آپ اُس اجر میں برابر کے شریک ہوں گے۔ ڈاکٹر گوہر مشتاق کی اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر کتابوں کے سیٹ کو خرید کر اپنے رشتہ داروں کو تحفے میں دیں:

1......ایک آنکھ والا دجال　　2......موسیقی، اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں

3......معرکۂ روح و بدن　　4......پردہ : عقلمند خواتین کا انتخاب

5 ......دجالی دور اور مسلم نوجوان　　6......انسانی دل اور قبولِ اسلام۔ ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ

7......داڑھی کی اہمیت، قرآن و سنت اور جدید سائنس کی روشنی میں

8...... ویلنٹائن ڈے۔ بُت پرست رومیوں کا تہوار　　9......سورۃ الواقعہ کی سائنٹفک تفسیر

10......سورۃ یٰسٓ کی تفسیر: کتاب و سنت اور جدید تحقیقات کی روشنی میں

11...... تزکیۂ نفس، اسلام اور جدید علمِ نفسیات کی روشنی میں

12 ...... روزے کے روحانی اور طبی فوائد۔ قرآن، حدیث اور میڈیکل سائنس کی روشنی میں

13 ...... اللہ کی مدد کیوں نہیں آ رہی؟　　14...... دجالی دور اور مسلم خواتین

15 ......مسلم نوجوانوں کو درپیش سب سے بڑا مسئلہ　　16...... تاریخ کا سبق

17 ...... عرشِ الٰہی سے لٹکتی قندیلوں میں، سبز پرندوں کے دلوں میں

تبلیغی مقاصد کے لئے پورا سیٹ یا بڑی تعداد میں کتابیں خریدنے پر خصوصی رعایت۔ تفصیلات کے لئے درج ذیل پتہ پر رابطہ کریں۔ مکتبہ خواتین میگزین، منصورہ ملتان روڈ۔ لاہور

فون نمبر: 042-35435667 and 0321-4708024